

اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر ۲۸)

علم اور تقویٰ

تالیف: ابو حمزہ عبدالحق صدیقی

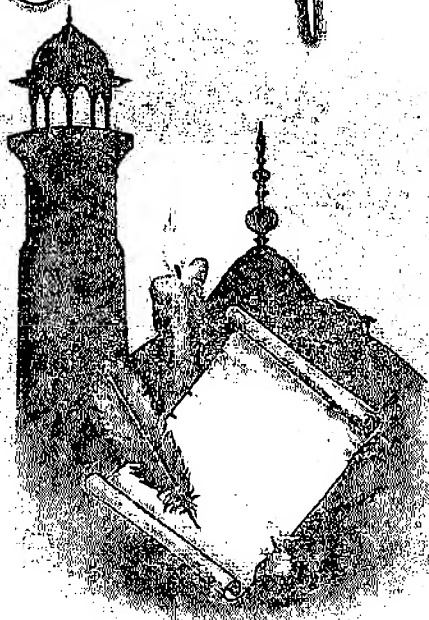


تجقیق و تخریج: حافظ عالمُود الخضری، اضافہ جات: قاری عبدالحفیظ آقاب

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (طائفة)

علم اور تقویٰ



تالیف: ابو حمزہ عبدالحق صدیقی تحقیق و تنقیح: حافظ حامد محمد انصاری

اضافہ جات، قاری عبدالحفیظ ثاقب

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

اسلامی کتب خانہ و اشاعتی ادارہ 17- امام باقر (ع) روڈ لاہور 7357587



جملہ حقوق بحق

انصار السنۃ پبلیکیشنز

محفوظ ہیں

نام کتاب: علم اور تقویٰ

تالیف: ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی تحقیق و تہجیح: حافظہ محمد انصاری

اصنافہ جگات: قاری عبدالحمید ثاقب

اہتمام: محمد رمضان محمدی، محمد سلیم جلالی

ناشر: ابو مومن منصور احمد

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17- اردو بازار لاہور فون: 042-7357587

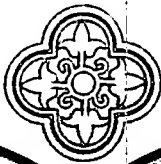
Dar-us-Salam

486 ATLANTIC AVE, BROOKLYN, NY 11217

TEL(718) 625-5925 FAX:(718) 625-1511

E-Mail: darussalamny@hotmail.com

Web Site: www.darussalamny.com



فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	مقدمہ.....	۱۳

پہلا حصہ

۲۹	اخلاصِ نیت	۲۹
۳۰	نیت خالص نہ ہونے کا انجام	۳۰
باب نمبر: ۱		

علم اور علماء کی فضیلت

۳۶	عابد اور عالم کی فضیلت	۳۶
۳۷	علماء دین قابلِ رشک ہیں	۳۷
۳۷	علم اور نفسانی خواہشات کی پیروی	۳۷
باب نمبر: ۲		

علم اور خشیتِ الہی

۴۰	حقیقی عالم کون ہے؟	۴۰
	قرب قیامت علم اٹھ جائے گا، ایسے میں اس کی حفاظت کرنے والے	
۴۲	علماء ہی ہوں گے	۴۲

عالم اور جاہل کا فرق

- ۴۵ جہالت اور طلب دنیا ❀
- ۴۶ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جہالت سے پناہ مانگنا ❀
- ۴۶ کسی کا مذاق اڑانا جہالت کی علامت ہے ❀
- ۴۷ امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو جاہلوں سے اعراض کا حکم ❀
- ۴۷ جہالت اور بندہ رحمان ❀
- ۴۷ سیدنا نوح علیہ السلام کو وقوع جہالت کی صورت میں وعظ کی تنبیہ ❀
- ۴۸ جہالت اور سیاحت ❀
- ۴۹ عالم اور جاہل کی اندھے اور بینا سے مثال دینا ❀
- ۴۹ جہالت قیامت کی نشانی ہے ❀

علم اور دعا

- ۵۰ پہلی دعا ❀
- ۵۱ دوسری دعا ❀
- ۵۱ تیسری دعا ❀
- ۵۲ چوتھی دعا ❀
- ۵۲ پانچویں دعا ❀
- ۵۲ چھٹی دعا ❀
- ۵۳ ساتویں دعا ❀

باب نمبر: ۵

علم کی اہمیت

باب نمبر: ۶

اہل علم اور بلندی درجات

باب نمبر: ۷

علم اور حکمت

- ۵۹ علم و حکمت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک *
- ۶۰ نبی مکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تعلیم حکمت *
- ۶۰ حکمت ایسی نعمت ہے جس پر رشک کیا جاسکتا ہے *
- ۶۱ سیدنا یوسف علیہ السلام اور حکمت *

باب نمبر: ۸

علماء اور توحید

- ۶۳ ایک اعتراض اور اس کا جواب *

باب نمبر: ۹

علم اور اہل علم

باب نمبر: ۱۰

علم، علماء اور نصیحت

- ۶۸ حدیث ”الدین النصیحة“ کے مفہوم کی وضاحت *
- ۷۰ نصیحت کیسے کی جائے؟ *
- ۷۰ پہلا طریقہ *
- ۷۱ دوسرا طریقہ *

✽ تیسرا طریقہ

باب نمبر: ۱۱

علم اور رحمت الہی

باب نمبر: ۱۲

علم اور ایمان

باب نمبر: ۱۳

بیان حق اور کتمان علم

✽ کتمان علم کی سزا ۸۰

✽ اللہ تعالیٰ کے بارے میں لاعلمی کی بات کہنے کی حرمت ۸۲

✽ رسول اللہ ﷺ کی طرف لاعلمی میں کوئی بات منسوب کرنے کی سزا ۸۴

باب نمبر: ۱۴

لاعلمی اور گمراہی

باب نمبر: ۱۵

علم اور یقین

باب نمبر: ۱۶

اہل علم اور سرکشی

✽ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ۸۷

باب نمبر: ۱۷

علم اور شکر

باب نمبر: ۱۸

علم اور اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی

باب نمبر: ۱۹

علم اور یومِ آخرت

باب نمبر: ۲۰

علم اور دعوت الی اللہ

- ❖ ۹۵ دعوت الی اللہ کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرنا
- ❖ ۹۷ داعی الی اللہ کے اوصاف
- ❖ ۹۷ دعوتِ دین کے لیے کمر بستہ ہو جانا
- ❖ ۹۹ مبلغین اور واعظین کے لیے لمحہ فکریہ

باب نمبر: ۲۱

علم اور دین کی سمجھ بوجھ

- ❖ ۱۰۴ علم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام

باب نمبر: ۲۲

علم اُٹھ جانے پر فتنوں کا ظاہر ہونا

باب نمبر: ۲۳

علم اور تدوینِ علم

- ❖ ۱۱۲ ایک اعتراض اور اس کا جواب

باب نمبر: ۲۴

علم اور جنت کا راستہ

باب نمبر: ۲۵

علم بہترین صدقہ جاریہ ہے

باب نمبر: ۲۶

علم اور تزکیہ نفس

دوسرا حصہ

۱۲۷	تقویٰ کی لغوی اور شرعی تعریف	✽
۱۲۷	لغوی تعریف	✽
۱۲۸	تقویٰ کی شرعی تعریف	✽
۱۳۲	مراتب تقویٰ	✽
۱۳۲	پہلا مرتبہ	✽
۱۳۲	دوسرا مرتبہ	✽
۱۳۲	تیسرا مرتبہ	✽

باب نمبر: ۱

تقویٰ کی اہمیت

۱۳۳	قوم نوح علیہ السلام	✽
۱۳۳	قوم عاد	✽
۱۳۴	قوم ثمود کو تقویٰ کا حکم	✽
۱۳۵	سیدنا لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تقویٰ کی دعوت	✽
۱۳۵	اہل مدین (اصحاب الایکتہ) اور تقویٰ	✽
۱۳۶	سرکش فرعون کو تقویٰ کا حکم	✽

- ❁ ۱۳۷ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو تقویٰ کا حکم دینا
- ❁ ۱۳۷ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ اور تقویٰ
- ❁ ۱۳۸ ازواجِ مطہرات اور تقویٰ و پرہیز گاری

باب نمبر: ۲

تقویٰ اور عقائد

- ❁ ۱۴۰ ایمان اور تقویٰ
- ❁ ۱۴۳ ایک شبہ اور اس کا ازالہ

باب نمبر: ۳

تقویٰ اور عبادات

- ❁ ۱۴۵ نماز اور تقویٰ
- ❁ ۱۴۸ روزہ اور تقویٰ
- ❁ ۱۵۲ صدقہ، خیرات و زکوٰۃ اور تقویٰ
- ❁ ۱۵۵ مالی اور بدنی عبادت
- ❁ ۱۵۶ نیکو کار لوگ
- ❁ ۱۵۷ نتیجہ بحث
- ❁ ۱۵۷ حج اور تقویٰ
- ❁ ۱۶۱ آیت ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ کا شانِ نزول
- ❁ ۱۶۲ قابل غور
- ❁ ۱۶۳ سودی کاروبار کرنے والوں کو سخت وعید
- ❁ ۱۶۵ تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ

باب نمبر: ۴

صبر اور تقویٰ

- ۱۶۹ صبر کا لغوی معنی *
 ۱۷۰ صبر کی شرعی تعریف *
 ۱۷۱ اقسام صبر *
 ۱۷۵ وسعت صبر *

باب نمبر: ۵

تقویٰ اور ہدایت

- ۱۸۱ ایک سوال *
 ۱۸۱ جواب *
 ۱۸۷ خلاصہ کلام *

باب نمبر: ۶

تقویٰ اور قربانی

- ۱۸۸ قربانی کا معنی *
 ۱۸۹ قربانی کا مقصد *

باب نمبر: ۷

تقویٰ کے فوائد و ثمرات

- ۱۹۱ دنیا میں تقویٰ کے فوائد و ثمرات *
 ۱۹۱ پہلا فائدہ: معاملات میں آسانی
 ۱۹۲ دوسرا فائدہ: دشمنوں کی کارستانیوں سے نجات

- تیسرا فائدہ: ایسی جگہ سے رزق کا ملنا کہ جس کا انسان کو وہم و گمان بھی نہ ہو..... ۱۹۶
- چوتھا فائدہ: غم و الم سے نجات..... ۱۹۷
- پانچواں فائدہ: برکات کا نزول..... ۱۹۸
- چھٹا فائدہ: اصلاح اعمال..... ۱۹۹
- ساتواں فائدہ: حق و باطل میں تمیز..... ۲۰۰
- آٹھواں فائدہ: گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت اور خطاؤں کی پردہ پوشی..... ۲۰۳
- نواں فائدہ: دنیا میں افضل ترین انسان ہونے کی گارنٹی..... ۲۰۶
- دسواں فائدہ: اولاد کی حفاظت..... ۲۰۷
- آخرت میں حاصل ہونے والے تقویٰ کے فوائد و ثمرات..... ۲۰۸
- پہلا فائدہ: اچھا انجام..... ۲۰۸
- دوسرا فائدہ: جہنم سے نجات..... ۲۱۰
- تیسرا فائدہ: عرش الہی کا سایہ..... ۲۱۰
- چوتھا فائدہ: جنت میں داخلہ..... ۲۱۱
- باب نمبر: ۸

اسباب تقویٰ

- فرضیت تقویٰ کو پیش نظر رکھنا..... ۲۱۳
- فوائد تقویٰ کو پیش نظر رکھنا..... ۲۱۳
- اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر ایمان رکھنا..... ۲۱۴
- راہ ہدایت پر آنا..... ۲۱۵
- مشکوک چیزوں کو ترک کرنا..... ۲۱۵
- روزے رکھنا..... ۲۱۵

- ۲۱۶ عدل و انصاف کرنا ❀
- ۲۱۶ عبادت کرنا ❀
- ۲۱۷ اہل تقویٰ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا ❀
- ۲۱۸ سبیل اللہ کی اتباع اور دیگر راہوں کو ترک کرنا ❀



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء

والمرسلين وبعد!

زیر نظر کتاب موسوم ”علم اور تقویٰ“ ادارہ انصار السنہ پبلی کیشنز کے مدیر اعلیٰ ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف لطیف ہے۔ جزاء اللہ خیر أعنی وعن جميع المسلمين۔

کتاب ہذا میں بیان کردہ مواد، کتاب کے عنوان سے واضح ہے۔ علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول مکرم، معلم انسانیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی پہلی وحی:

﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ
وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ ﴾

(العلق: ۱-۵)

”اے پیغمبر! آپ پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو منجھد خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھئے اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

اسی تعلیم و تعلم سے منسلک ہے۔ اسی لیے تمام ادیان و مذاہب کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی دین نے تعلیم و تعلم کا وہ اہتمام نہیں کیا جو دین اسلام، دین حنیف نے

کیا ہے۔

ذرا قرن اوّل کے حالات کی ورق گردانی کیجیے کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وحی کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس اہتمام سے پڑھایا۔

ان عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کس نے نہیں سنا؟ جن کو تاریخ ”اصحاب صفہ“ کے نام سے یاد کرتی ہے، یہ غریب الدیار اتنے مفلس کہ اکثر فقر و فاقہ کا شکار رہتے، دیکھنے والوں نے دیکھا، اور لکھنے والوں نے لکھا کہ اگر وہ کسی مجلس میں بیٹھتے تو کپڑوں کو سمیٹ کر بیٹھتے کہ کہیں بے پردگی نہ ہو جائے، اتنی غربت کہ پورا جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑا بھی میسر نہ ہوتا، حتیٰ کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ الأنصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((وَأَيْسَنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ)) •

”کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کے پاس عہد رسالت میں دو کپڑے

ہوں۔“

ستر (۷۰) کے قریب یہ جائزہ کیا مال کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے؟ یا کاروبار نہیں کر سکتے تھے؟ کیا لین دین کی اہلیت سے عاری تھے؟ کیا کھیتی باڑی کرنے سے نااہل تھے؟ نہیں نہیں! بلکہ انھوں نے تمام صلاحیتیں ہونے کے باوجود اپنی توانائیاں نبی اکرم ﷺ کے فرامین حفظ کرنے میں صرف کیں، اور اپنا تن من و دھن سب کچھ اسی راہ میں لگا دیا، انہی میں سے فقیہ امت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، وہ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں: ”لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (غزوہ خیبر کے موقع پر ۶ ہجری میں مسلمان ہوئے صرف چار سال کی صحبت پا کر طویل الملازمہ صحابہ سے بھی) بہت زیادہ روایات بیان کرتے ہیں؟ (کیا ان کو یہ علم نہیں) کہ انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے ہیں، مہاجرین اپنی دکانداری میں مشغول رہتے اور میں ((بِشَيْعٍ بَطْنٍ))..... ”پیٹ بھرنے کے لیے“ کھانا

ملا یا نہ ملا (قوتِ لایموت، نصیب ہوئی یا نہ ہوئی) ہمیشہ رسولِ مکرم ﷺ کی رفاقت میں رہتا، اور ان مجلسوں میں حاضر ہوتا جن مجلسوں میں دوسرے (صحابہ کرام) حاضر نہیں ہوتے تھے۔ آپ کے دروازے پر کھڑا رہتا کہ آپ ﷺ کب گھر سے باہر تشریف لائیں کہ آپ کے فرمودات سن کر یاد کروں۔“ ۵

بعض دفعہ میں بھوک سے ٹڈھال ہو کر مدینہ کی گلیوں میں گر پڑتا۔ اسی طرح سارے ”اصحاب صفہ“ نے حصولِ علم کا اہتمام کیا، یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ لوگ تعجب کیا کرتے۔ سچ فرمایا اللہ رب العزت نے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَلُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ

الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ (العنکبوت: ۶۹)

”اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے رستہ میں جہاد (بالعلم) کیا، ہم انہیں اپنے رستہ

کی ہدایت دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

انہی ”اصحاب صفہ“ میں سے سیدنا ابو فراس ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ، خادم رسول ﷺ بھی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں رات رسول اللہ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھا کرتا اور راتوں کو بیدار رہتا، کہیں آپ کو کوئی کام نہ پڑ جائے، آپ کا انتظار کرتا رہتا۔ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ اُٹھے، وضو کیا اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((سَلِّ)) یعنی مجھ سے آج کے دن جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔ سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ انتہائی غریب آدمی تھے، وہ جانتے تھے کہ آج جو مانگوں گا مل جائے گا۔ زمین کا سوال کرتے مل جاتی۔

یاد رہے کہ وہ زمینیں جو رسول ہاشمی ﷺ نے لوگوں کو الاٹ کی تھیں، اتنی زیادہ تھیں کہ ساری زندگی لوگ آباد کرتے رہے لیکن وہ آباد نہ ہو سکیں، جاگیر طلب کرتے عطا ہو جاتی، اونٹ مانگتے عنایت ہو جاتے، لیکن انہیں علم تھا کہ اس مال و دولت کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت کیا ہے، لہذا موقعہ غنیمت جان کر..... فرمایا:

((أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ .))

”کہ میں تو جنت میں آپ کا ساتھ چاہتا ہوں۔“

اللہ کے نبی ﷺ نے تعجب سے سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کی طرف نظر اٹھائی اور ان سے فرمایا:

((أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ ؟)) ”اس کے علاوہ کچھ اور نہیں مانگتا؟“

سیدنا ابوفراس رضی اللہ عنہ نے کہا: ((هُوَ ذَاكَ .))

”اے اللہ کے رسول ﷺ! میری پہلی اور آخری خواہش یہی ہے اور کسی چیز کی

طلب ہی نہیں ہے۔“

غریب ترین ہوتے ہوئے بھی اگر کچھ مانگا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی جنت میں معیت

مانگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوفراس! اگر جنت میں میرا ساتھ چاہتے ہو تو ایک کام

کرنا ہوگا۔

((فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ .)) ①

”زیادہ سے زیادہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنے آپ کو اس قابل بنا کہ مجھ

محمد ﷺ کی تمہیں جنت میں بھی رفاقت مل جائے۔“

لوگ آپ کی رفاقت کے طلبگار ہیں، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اپنے نبی ﷺ کو

حکم فرمایا:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشیِّ

یُرِیْدُونَ وَجْهَهُ ط ۝ (الکھف: ۲۸)

”اے نبی! اپنے آپ کو ہمیشہ ان کے ساتھ رکھیے جو صبح و شام اپنے رب کا ذکر

کرتے ہیں۔ اُس کی رضا جوئی کے خواستگار رہتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس علم دین کو اس قدر درجہ عطا فرمایا اور نبی کریم ﷺ نے وہ منزلت

”یقیناً اللہ کے مقربین فرشتے طالب علم کی رضا مندی کے لیے اپنے پر (ادب) سے رکھ دیتے ہیں، اس جہان فانی میں ہر چیز اس طالب علم کے لیے دعا گو رہتی ہے، حتیٰ کہ پھلیاں پانی میں اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتی رہتی ہیں۔ اور ایک عالم کو کسی عبادت گزار پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے، جس طرح چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر برتری ہوتی ہے۔“

اور مزید برآں طلباء و اساتذہ کے لیے یہ خوشخبری آپ ﷺ نے دی:
 ((وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَرَثَتُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِطِّ وَافِرٍ.)) •
 ”کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑ کر گئے، بلکہ علم کی وراثت دے کر گئے ہیں، سو جس نے وہ (علم) حاصل کیا اس نے بہت بڑی متاع حاصل کر لی۔“

لہذا ضمناً ہم یہ بات بھی کہہ دیتے ہیں کہ طلباء اور علماء کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، دیکھئے امام بخاری رحمہ اللہ سے حاکم بخاری نے کہا کہ میرے مکان پر تشریف لا کر مجھے درس حدیث دیں اور یہ ادنیٰ مطالبہ تھا جو کہ ابن الوقت کے لیے نہایت آسان، بلکہ باعث فخر تھا کہ آج ہر شخص چاہتا ہے کہ سلاطین و امراء کے ہاں آنے جانے کے لیے بہانہ مل جائے، یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا پر دین کو قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دین کی خاطر دنیا کو لات مار چکے ہیں، ان کے لیے ایسا مطالبہ صرف غلط ہی نہیں، بلکہ ان کی غیرت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ امام موصوف نے صاف صاف کہہ دیا:

((أَنَا لَا أَذِلُّ الْعِلْمَ إِلَى أَبْوَابِ النَّاسِ.)) •

① علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، رقم: ۳۶۴۱۔

② تاریخ بغداد: ۲ / ۳۳۔

دی، سیدنا کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ ﷺ لِحَدِيثٍ بَلَّغَنِي مُحَدِّثُهُ أَنَّكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ. قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ.))

”میں سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک آنے والا آیا، اور کہنے لگا، اے ابو درداء! میں مدینہ الرسول ﷺ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، کسی فائدے کے حصول کے لیے نہیں، بلکہ میرا مطمح نظر وہ حدیث حاصل کرنا ہے جو آپ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کرتے ہیں، تو اس وقت سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

”جو کوئی حصولِ علم کے لیے کسی راستہ میں چلتا ہے (دنیا والے اور وہ خود طالب علم بھی محسوس کرتا ہے کہ میں مدرسہ جارہا ہوں)، لیکن حقیقت میں وہ راستہ (مدرسہ نہیں) جنت کی طرف جارہا ہوتا ہے۔“

اور اسی حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنَحَتَهَا رِضًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ، وَالْحَيَّاتَانِ فِي جَوْفِ الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ.))

”میں علم نبوی ﷺ کو لوگوں کے دروازوں پر لے جا کر ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔“

یعنی یہ ایسی چیز نہیں جو تمہارے پاس لائی جاسکے۔ اگر تمہیں ضرورت یا سنت کی پیاس ہے، تو تم میرے مکان اور مسجد میں آ جاؤ۔

اسی طرح ایک دفعہ امیر نے امام صاحب سے کہا کہ میرے بچوں کو آ کر حدیث پڑھائیں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے پھر وہی جواب دیا۔ امیر نے پھر کہا کہ میرے بچوں کے آنے کے لیے وقت مخصوص ہوگا، اس وقت کوئی دوسرا درس میں شریک نہ ہوگا۔ لیکن امام صاحب نے یہ بات بھی نہیں مانی اور کہا:

((لَا يَسْعُنِي أَنْ أَخْصَّ قَوْمًا بِالسَّمَاعِ دُونَ قَوْمٍ))

”یعنی یہ میرا اختیار نہیں کہ دین شرعی کا سنانا کسی ایک گروہ کے لیے مخصوص کروں۔“ (تاریخ بغداد)

ایک مرتبہ مسجد نبوی کے صحن میں مجلس لگی ہوئی تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ جیسے امام دوزانو بیٹھے ہیں، ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ کو بلوایا ہے، امام صاحب جواب دیتے ہیں کہ علم کے پاس لوگ آتے ہیں، علم لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔

((اَلْمَلُوكُ عَلَى بَابِ الْعُلَمَاءِ ، لَا الْعُلَمَاءُ عَلَى بَابِ الْمُلُوكِ .))

ہارون الرشید خود حاضر ہوتا ہے۔ کسی نے کہا، خلیفۃ المسلمین آرہے ہیں اگر تحلیلہ فرمائیں تو بہتر ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”کسی شخص کی منفعت کے لیے افادۂ عام کا خون نہیں کیا جاسکتا۔“

درحقیقت دینی علم عین اسلام ہے، کیونکہ جب تک آپ کو معرفت الہی نہیں، شریعت کا علم ہی نہیں، تو خود کو اور عوام الناس کو صراطِ مستقیم پر کس طرح چلایا جاسکتا ہے؟ یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب بدء الوجدی“ کے بعد ”کتاب العلم“ میں سمجھائی ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں:

((بَابُ: أَلْعَلَّمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ .))

”اس چیز کا بیان کہ اقرار و عمل سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔“

اور بطور دلیل قرآنی آیت ذکر کرتے ہیں:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد: ۱۹)

”پس جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔“

بقی بن مخلد رحمہ اللہ بہت بڑے محدث ہیں۔ آپ اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ:

”میں قرطبہ (اندلس) سے امام احمد رحمہ اللہ کی طرف حدیث سیکھنے کے ارادے سے روانہ

ہوا۔ بغداد کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ فتنہ خلق قرآن کی پاداش میں امام صاحب اپنے گھر

میں نظر بند ہیں۔ کسی کو آپ سے ملنے کی اجازت نہیں۔ میں بڑا مغموم ہوا، بڑی مشکل سے

آپ کے مکان تک پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر آپ باہر آئے، اسی وقت کسی جاسوس نے دیکھ

لیا۔ جس کا آپ پر اثر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میں بہت دور سے آپ کی خدمت میں

حدیث پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری خدمت اور تمہیں پڑھانے سے

زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں، مگر کیا کروں، کہ مجھ پر پابندی لگی ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا

کہ ایک تجویز ہے۔ اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں اپنے مطلب کو پاسکتا ہوں۔ فرمایا، بتاؤ!

میں نے عرض کیا کہ بغداد میں نیا داخل ہوا ہوں، اور کوئی شہر کا باشندہ مجھے نہیں پہچانتا۔ میں

روزانہ فقیرانہ بھیس میں آپ کے دروازے پر بھیک مانگنے کی صدا لگایا کروں گا، اور آپ مجھے

خیرات دینے کے بہانے حدیث رسول اللہ ﷺ سنا دیا کرنا، آپ کی مہربانی ہوگی۔ آپ

نے منظور فرمایا اور ساتھ شرط یہ لگائی کہ کسی کو خبر نہ دوں۔ چنانچہ میں روزانہ فقیرانہ بھیس میں سر

پر پٹی باندھ کر ہاتھ میں لکڑی پکڑے بھکاری بن کر صدا لگاتا.....

((الْأَجْرَ رَجِمَكُمْ اللَّهُ))

”اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔“

وہاں بھیک مانگنے والے اسی طرح صدا لگاتے تھے۔ آپ آواز سن کر آتے، اور وہیں دروازے پر دو چار حدیثیں سنا دیتے، کئی دن اس طرح سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ آزاد ہوئے، اور مجلس درس ہوئی اور میں وہاں حاضر رہتا تھا، اور آپ طلباء کے سامنے میرا حال بیان کرتے اور فرماتے تھے کہ حدیث کے طالب ایسے ہوتے ہیں۔^①

شیخ اکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کو گورنمنٹ کی طرف سے عہدے کی پیشکش ہوئی، لیکن آپ نے طلبائے حدیث کے ساتھ بوریا نشینی کو اس پر ترجیح دی۔^② یہی وجہ ہے کہ آج پاک و ہند کا کوئی بھی شخص اپنی سند کو نبی اکرم ﷺ تک ان کے واسطے کے بغیر نہیں پہنچا سکتا۔

پیارے قارئین! یہ علم آسائش و آرام سے حاصل نہیں ہوتا، بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں، یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

((لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ .))^③

”علم آرام سے حاصل نہیں ہوتا۔“

نضر بن شمیل حدیث کے حصول میں فاقہ کشی کے دلدادہ تھے اور فرماتے تھے:

((لَا يَجِدُ الرَّجُلُ لَذَّةَ الْعِلْمِ حَتَّى يَجُوعَ وَيَنْسَى جُوعَهُ .))

”کوئی بھی آدمی اس وقت تک علم کی لذت حاصل نہیں کر سکتا، جب تک وہ بھوکا

نہ ہو اور پھر اس کو بھوک کا احساس تک نہ ہو۔“

حصولِ علم کے لیے اگر طالب علم اپنی ساری توانائیاں وقف کر دے تو پھر بھی یہ اس علم کا عشیر عشیر بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

① مختصر طبقات الحنابلة، ص: ۷۹-۸۱، سیر أعلام النبلاء: ۱۳/۲۹۳.

② تاریخ اہل حدیث از علامہ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

③ صحیح مسلم، کتاب المساجد، رقم: ۱۳۹۰.

((مَنْ طَلَبَ الْعُلَى سَحَرَ اللَّيَالِي .))

”بلندیاں راتوں کو جاگ کر محنت کرنے کے بعد ملتی ہیں۔“

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے شیخ آدم بن ابی ایاس رحمہ اللہ کے پاس جا رہا تھا۔ زادِ راہ ختم ہو گیا، یہاں تک کہ کئی دن تک مجھے گھاس اور پتوں پر گزرا کرنا پڑا۔ تیسرے دن کوئی ناواقف شخص، مجھے دیناروں کی تھیلی دے گیا، کہ یہ اپنے مصرف میں لائیے۔^①

اور فرماتے تھے کہ مجھے اُمید ہے کہ روزِ قیامت مجھ سے غیبت کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی۔^②

اسی لیے آج ان کو یہ مقام و مرتبہ ملا ہے۔

یہ بلند مرتبہ ملا جس کو مل گیا

ہر مدی کے واسطے دار و رسن کہاں

اگر ان کی صحیح کے متعلق لکھی جانے والی کتب دیکھی جائیں تو ڈیرھ سو (۱۵۰) سے زائد

ہیں۔ جو صرف ان کی مخلص مساعی کا نتیجہ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کی یاد میں رورور کرنا پینا ہو گئے۔^③

امام مسلم رحمہ اللہ نے حصولِ علم حدیث کی خاطر کئی شہروں کے چکر کاٹے۔^④

آپ کی وفات کا یہی سبب تھا کہ رات بھر ایک حدیث کی تلاش میں جاگتے رہے، اور

جب صبح ہوئی تو حدیث مل گئی، لیکن مرض الموت شروع ہو گیا۔^⑤

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صاحب ”فتح الباری“ کی پوری تریسٹھ سالہ زندگی کو ان کی تصانیف پر

② تاریخ بغداد: ۱۳/۲۔

① طبقات للسیکی: ۱۰/۲۔ ۱۱۔

③ تہذیب التہذیب لابن حجر: ۳۸۹/۹۔

④ تہذیب الاسماء واللغات: ۹۱/۲۔

⑤ تہذیب لابن حجر: ۱۲۷/۱۰۔

تقسیم کیا جائے تو فی یوم کے ساٹھ صفحات بنتے ہیں، اپنی شادی کے بعد بھی اپنے استاذ مکرم حافظ عراقی رحمہ اللہ کے پاس دس (۱۰) سال تک علم حاصل کرتے رہے۔

امام بخاری جب وطن واپس لوٹے ہیں تو آپ کا شایان شان استقبال کیا جاتا ہے۔ اور تین میل تک خیمے لگائے جاتے ہیں اور اوپر دنیا و دہرا ہم بچھاور کیے جاتے ہیں۔^①
امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد یوسف فریالی رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ ان کی مجلس میں لکھنے والوں کی تعداد دس ہزار ہوا کرتی، اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ جب وہ پڑھانے بیٹھتے تو تین تین سو کے قریب مستمل (آواز پہنچانے والے) ہوا کرتے، اور بعض نے تو ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی مجلس میں بعض دفعہ چالیس ہزار سے زیادہ قلم و دوات رکھ دیئے جاتے، اور لکھنے والے چالیس ہزار سے بھی بڑھ جاتے۔

قارئین کرام! ان محدثین رحمہم اللہ کے تقویٰ و پرہیزگاری کا اندازہ فرمائیے گا۔ امام نسائی رحمہ اللہ کا زہد و تقویٰ، احیاء اللیل اور عمل بالنس مشہور تھا۔ حکام و أمراء سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔ بالآخر ”خارجیہ“ سے لڑے اور ان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔^②

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ آپ نے نہر پار کسی کی چھینک سنی تو سنت پر عمل کی خاطر کشتی والے کو ایک دینار کرایہ دے کر اس کے پاس گئے اور اس کو ((يَسْرَحْمُكَ اللّٰهُ)) کہا۔^③

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کی عبادت حیران کن تھی۔ کھڑے ہو جاتے تو گویا کہ لکڑی کا ستون ہے۔^④

امام ابن خزمیہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

((اَنَا عَبْدٌ لِّاَخْبَارِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ))^⑤

② طبقات السبکی: ۱۷ / ۲

① مقدمہ فتح الباری: ۴۹۴

④ طبقات السبکی: ۲۲ / ۲

③ مقدمہ معالم السنن

⑤ الفقیہ والمتفقہ

”میں نبی مکرم ﷺ کی احادیث کا غلام ہوں۔“

اسی طرح جرح و تعدیل میں ان کی امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ حدیث نبوی کو بچانے کے لیے اور اس کی حفاظت کی خاطر انھوں نے اپنے کسی قریبی رشتے دار کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے اپنے والد عبد اللہ تک کا ضعیف و ناقابل اعتبار راوی ہونا بتایا۔ ❶

امام ابو داؤد جہتانی رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو کذاب تک کہہ دیا۔ ❷

الغرض ان اہل علم لوگوں کی ہر نقل و حرکت حدیث کی خدمت و حفاظت کے لیے وقف تھی۔ وہی جماعت ہر نیک کام میں نمایاں حیثیت رکھ سکتی ہے، جو علم کے ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری کا اہتمام کرے۔ جیسا کہ محدثین کرام رحمہم اللہ نے کیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے خشیت الہی علماء کا وظیفہ قرار دی ہے، ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ (فاطر: ۲۸)

”بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔“

سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ مدینہ کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

((أَتَقَاهُمْ رَبُّهُ.)) ❸

”اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا بڑا عالم ہے۔“

امام مجاہد رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

((إِنَّمَا الْفَقِيهُ مَنْ يَخَافُ اللَّهَ.)) ❹

”فقیر اور عالم وہ ہے جس کے دل میں خشیت الہی موجود ہو۔“

اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

❶ تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۲۰ / ۱

❷ کتاب الضعفاء للعقيلي.

❸ سنن دارمی، مقدمہ، رقم: ۲۹۶

❹ سنن دارمی، مقدمہ، رقم: ۲۹۵

((لَيْسَ الْعِلْمُ عَنْ كَثْرَةِ الْحَدِيثِ ، وَلَكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ .))^①

”علم بہت زیادہ احادیث یاد کرنے کا نام نہیں، بلکہ کثرتِ خشیت الہی کا نام ہے۔“

زیر مطالعہ کتاب ”علم اور تقویٰ“ بھی عوام الناس طلبہ علم اور علماء کو یہ درس دے رہے ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا التزام کریں۔ ((اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا .))

اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے، جن کی مساعی مشکورہ کی بدولت یہ کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہی ہے۔ بالخصوص مؤلف ہذا الکتاب، ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، مدیر اعلیٰ انصار السنہ پبلی کیشنز اور قاری عبدالحفیظ ثاقب رحمۃ اللہ علیہ، حافظ حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ کو جنہوں نے کتاب پر اضافہ جات کر کے کتاب میں حسن پیدا کیا اور پروف ریڈنگ کی ذمہ داری حافظ محمد الیاس دانش اور ندیم احمد نے سرانجام دی۔ جزا اہم اللہ خیراً۔

اور جملہ عالمین و مسابہین، جناب محمد طارق جاوید، محمد شاہد انصاری، محمد اکرم سلفی، ابو طلحہ، انکل ابو مؤمن منصور احمد اور محمد رمضان محمدی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی دعا گو ہیں، اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کی طباعت کی نیکی کو سب کے لیے ذخیرہ آخرت بنا دے۔

اللہ رب العزت سے دست بدعا ہیں کہ وہ ان مقاصدِ عظیمہ اور اہدافِ نبیلہ جو ان کتب و رسائل مفیدہ کی طباعت میں کارفرما ہیں جلد از جلد حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور توحید و سنت کی تعلیمات کو فروغ دینے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہمارا معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ

بن جائے کیونکہ توحید و سنت ہی دنیا و آخرت کی فلاح و صلاح کی بنیاد ہیں، باقی سب شیطانی وساوس ہیں۔

العلم ما قال اللہ وقال رسوله
وما سوى ذلك فهو اوسواس الشياطين

اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے انتہائی قابل احترام بھائی و مخلص مرشد و رہنما فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمائی رحمۃ اللہ علیہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی شفقتیں میرے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریروں کو حسن بخشی رہتی ہیں۔ یہ مبارک عمل ان کے حکم اور ساتھ ساتھ ان کی ڈھیروں دعاؤں کی وجہ سے جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ ان کی جہود، محنتوں، کاوشوں اور کوششوں میں مزید اضافہ فرمائے اور شرف قبولیت بخشے۔ جس منہج پر ہم کام کر رہے ہیں درحقیقت یہ اللہ کی توفیق ہے اور اس کے بعد شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی۔ جزاہم اللہ خیراً۔
وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وسلم۔

وکتبہ

حافظ حامد محمود انصاری

(رفیق) انصار السنہ پہلی کیشنز، لاہور



پالاح

اخلاص نیت

کسی بھی نیک عمل کی قبولیت کے لیے اخلاص نیت نہایت ضروری شرط ہے کہ وہ عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾ (البینہ: ۵)

”اور انہیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، یکسو ہو کر اسی کے دین کو خالص رکھیں، نماز کو قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، یہی دین درست اور مضبوط ہے۔“

اسی بات کو اللہ رب العزت نے سورۃ ”المؤمن“ میں بایں الفاظ بیان کیا ہے:

﴿فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝﴾

(المؤمن: ۱۴)

”پس تم اللہ کو اس کے لیے دین کو خالص کر کے پکارتے رہو، اگرچہ کافر برائے۔“

ایک اور مقام پر ارشادِ رب العزت ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝﴾ (الکھف: ۱۱۰)

”(اے پیغمبر!) اعلان کر دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ ہاں! میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ تو جسے

بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو، ہوا سے چاہیے کہ نیک اعمال کرے، اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“

اخلاص نیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے، جس کے راوی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں، فرماتے ہیں:

((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى .)) ❶

”میں نے نبی (رحمت) ﷺ سے یہ سنا کہ اعمال کا انحصار صرف اور صرف نیتوں پر ہے۔ ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے، جس کی اس نے نیت کی۔“

امام وکیع رحمہ اللہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بیان فرماتے ہیں:

((مَا مِنْ شَيْءٍ أَخَوْفُ عِنْدِي مِنَ الْحَدِيثِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْهُ لِمَنْ أَرَادَ بِهِ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ .)) ❷

”یعنی (نیت خالص نہ ہونے کی صورت میں) میرے نزدیک علم حدیث سے زیادہ خوف ناک کوئی دوسری چیز نہیں ہے، لیکن جب اس میں اللہ کی رضا مقصود ہو تو اس سے بہتر چیز بھی کوئی نہیں ہے۔“

نیت خالص نہ ہونے کا انجام:

جس طرح قرآن و سنت میں اخلاص نیت کے ثواب و جزاء کا تذکرہ موجود ہے، اسی طرح نیت خالص نہ ہونے کے انجام و عقاب کا ذکر بھی موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، رقم: ۱، صحیح مسلم، باب فضل الجہاد و الخروج فی سبیل اللہ، رقم: ۴۹۲۷۔

❷ جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر: ۱/۵۹۔ دار الکتب العلمیہ، طبع اولیٰ العامع ل اخلاق الراوی و اداب السامع: ۱/۸۳، مکتب المعارف الرياض۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنَتْهَا نُوْفٌ اِلَيْهِمْ اَعْمَالُهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُنْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

(ہود: ۱۵، ۱۶)

”جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتا ہے، ہم ایسے لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی پورا پورا دے دیتے ہیں، اور اس میں ان کے لیے کوئی کمی نہیں کی جاتی، ہاں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں، اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا سب باطل ہے، اور ان کے تمام اعمال تباہ و برباد ہوئے۔“

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی ہے، فرماتے ہیں، یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَنَا اَغْنٰى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ ، فَمَنْ عَمِلَ لِىْ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ غَيْرِىْ ، فَاَنَا مِنْهُ بِرِىْ ؕ ، وَهُوَ لِذٰنِىْ اَشْرَكَ .)) ۝

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تمام شرکاء کے شرک سے بہت زیادہ بے زار ہوں، (لہذا) جس نے کسی عمل میں میرے سوا کسی اور کو شریک کیا، تو میں اس سے بری ہوں، وہ عمل اسی کے لیے ہوگا جس کو اس نے شریک کیا تھا۔“

اسی طرح سیدنا ابوسعید بن ابی فضاہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن، جو ایسا دن ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے،

① علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الریاء والسمعة،

اول و آخر تمام لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی ہا واز بلند کہے گا:

((مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلِهِ لَلَّهِ ، فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ ، فَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ .)) ❶

”یعنی جو کوئی کسی عمل میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرتا تھا تو وہ اسی سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرے، بے شک اللہ تعالیٰ شرکاء کے شرک سے بے زار ہے۔“

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

((أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي ، تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ .)) ❷

”میں شرک کرنے والوں سے بہت زیادہ بے زار ہوں، جس نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا، میں اس کے شریک عمل کو رد کر دیتا ہوں۔“

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے (کسی عمل کو) شہرت چاہنے کے لیے کیا تو اللہ اس کی تشہیر کر دیں گے۔“

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

”جس نے ریاکاری کی تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب سب پر عیاں کر دے گا۔“ ❸

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

ہوئے سنا:

”قیامت کے دن جس آدمی کا سب سے پہلے حساب ہوگا، وہ ایک شہید ہوگا جس کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو اللہ رب العزت اس آدمی کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، جب وہ

❶ سنن ابن ماجہ، باب الرياء والسمعة، ح: ۴۲۰۳۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”حسن“ کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب تحریم الرياء، رقم: ۷۴۷۵۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب تحریم الرياء، رقم: ۷۴۷۶، سنن ترمذی، باب ماجاء فی الرياء والسمعة، حدیث: ۲۳۸۱۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جان لے گا تو اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا۔ بتا؟ تو نے میری نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ وہ آدمی کہے گا:

((قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اُسْتُشْهِدْتُ .))

”میں نے تیری راہ میں قتال کیا، حتیٰ کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔“

تو اللہ رب العزت فرمائے گا:

((كَذَبْتَ ، وَلَٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَن يُقَالَ جَرِيءٌ فَقَدْ قِيلَ .))

”کہ تو جھوٹ بول رہا ہے، تو تو صرف اس لیے (میدانِ جہاد میں) لڑتا رہا کہ

تجھے بہادر کہا جائے، تو یہ بات تجھے (دنیا میں ہی) کہہ دی گئی۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس آدمی کو اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا

جائے گا۔

اس کے بعد اُس آدمی کو بارگاہ رب العالمین میں پیش کیا جائے گا، جس نے علم سیکھا اور

دوسروں کو سکھایا، اور قرآن کی تلاوت کی، اس کو بھی اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ جب وہ

اللہ کی نعمتوں کو جان جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے ان کو کہاں استعمال کیا؟ تو

جواب میں وہ آدمی کہے گا کہ میں نے علم سیکھا، دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن

کی تلاوت کرتا رہا، تو اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

((كَذَبْتَ ، وَلَٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ ، وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ

لِيُقَالَ هُوَ قَارِءٌ فَقَدْ قِيلَ .))

”کہ تو جھوٹ بول رہا ہے، بلکہ علم حاصل کر کے اور قرآن کی تلاوت کرتے

وقت تیری نیت یہ تھی کہ تجھے عالم اور قاری کہا جائے، تو یہ تجھے دنیا میں ہی کہہ

دیا گیا۔“

اللہ کے حکم پر اس کو بھی جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا، اس کے بعد ایک نئی

آدمی کو لایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی یہی معاملہ کرے گا، اور پوچھے گا کہ تو نے میری نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ تو وہ آدمی کہے گا:

((مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ)) ❶

”کہ میں تیری مرضی کے مطابق تیری ہر راہ پر خرچ کرتا رہا۔“

تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

((كَذَبْتَ ، وَلَإِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ))

”کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو اس لیے مال خرچ کرتا رہا کہ تجھے سچی کہا جائے، وہ تجھے (دنیا میں ہی) کہہ دیا گیا۔“

اس آدمی کو بھی اللہ کے حکم پر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ❷

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی عمل اس وقت تک درجہ قبولیت کی منازل طے نہیں کر سکتا جب تک اس میں اخلاص کی روح موجود نہ ہو، بلکہ اس کی حالت مردہ جسم کی طرح ہے، جس کے ہاتھ تو موجود ہیں، لیکن وہ حرکت نہیں کر سکتے، جس کے پاؤں تو موجود ہیں، لیکن چل نہیں سکتے، جس کی آنکھیں تو موجود ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتیں، جس کے منہ میں زبان تو موجود ہے، لیکن کلام نہیں کر سکتی، جس کے کان اور ناک تو موجود ہیں وہ سن سکتے ہیں اور نہ سونگھ سکتے ہیں، بلکہ یہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود ناکارہ ہیں۔ بالکل یہی حال ریاکاری کی بنیاد پر کیے گئے اعمال کا ہے کہ ان میں محنت تو موجود ہے لیکن وہ شرف قبولیت کو نہیں پہنچ سکتے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجُودُهُ يُؤْمِنُ بِخَاشِعَةٍ ۝ عَامِلَةٍ نَّاصِبَةٍ ۝ تَصْلِي نَارًا حَامِيَةٍ ۝﴾

(الغاشیہ: ۲ تا ۴)

”کہ اس دن بہت سارے چہرے ذلیل ہوں گے، عمل کرنے کی وجہ سے تھکے ہوئے ہوں گے۔ لیکن بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔“

اللہ رب العزت ریاکاری سے محفوظ و مامون فرمائے، اور نیکی کی توفیق اور اخلاص عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!



علم اور علماء کی فضیلت

عابد پر عالم کی فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے عالم کو انتہائی اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس عابد پر بھی جو اپنے لیل و نہار کو اللہ کی عبادت میں گزار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمَّنْ هُوَ قَابَتْ اَنْاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (الزمر: ۹)

”کیا وہ شخص جو رب العالمین کی رحمت کی امید کے بل بوتے پر، آخرت سے ڈرتے ہوئے اپنی ساری رات قیام و سجود میں گزار دیتا ہے۔ (اے پیغمبر!) آپ فرمادیں: کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔“

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، جن میں سے ایک عالم اور دوسرا جاہل تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى اَدْنَاكُمْ.))

”عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر۔“

اس کے بعد رسول ہاشمی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَاَهْلَ السَّمَوَاتِ وَاَلْاَرْضِ يَنْتَظِرُ حَتَّى تَقُومَ النَّمْلَةُ))

فِي جُحْرِهَا وَحَتَّى الْخُوتَ لِيَصَلُّوْنَ عَلَىٰ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرِ)) •
 ”بے شک اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں میں بسنے والی تمام مخلوقات، حتیٰ کہ چوئیاں اپنی بلوں میں اور مچھلیاں (پانی میں) لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والوں کے لیے رحمت کی دعائیں کرتی ہیں۔“

علماء دین قابل رشک ہیں:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول رب العالمین ﷺ نے فرمایا:
 ((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا، فَسَلَّطَهُ عَلَىٰ هَلَكَاتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ حِكْمَةً، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا.)) •

”یعنی دو آدمیوں کے علاوہ اور کسی پر رشک کرنا جائز نہیں۔ (۱) پہلا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے کثرت مال سے نواز کر اسے بے تحاشا حق کے کاموں میں خرچ کرنے پر لگا دیا۔ (۲) دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (قرآن و سنت کا علم) عطا کی ہو، جس کے ذریعے وہ فیصلے کرتا، اور اس کا علم دوسروں کو سکھاتا ہے۔“

علم اور نفسانی خواہشات کی پیروی:

علم اور نفسانی خواہشات کی اتباع اور پیروی دو متضاد چیزیں ہیں جس کو اللہ رب العزت نے بڑے ہی واضح الفاظ میں قرآن حکیم کے اندر بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
 ﴿قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهَدَىٰ ۖ وَلَئِنْ أَتَّبَعْتُ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ

① سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادۃ، رقم الحدیث: ۲۶۸۵۔ اس

حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے ”صحیح“ کہا ہے، مشکوٰۃ، رقم: ۲۱۳، التعلیق الرغیب: ۶۰/۱۔

② صحیح بخاری، کتاب العلم، رقم: ۷۳، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، رقم: ۱۸۹۶۔

الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

(البقرة: ۱۲۰)

”اے نبی! فرمادیجیے کہ حقیقی ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے، اور اگر آپ نے اپنے پاس علم آ جانے کے باوجود ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔“

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَيْسَ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۝﴾

(الرعد: ۳۷)

”اگر آپ نے علم آ جانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے عذاب سے نہ آپ کا کوئی حمایتی ملے گا، اور نہ ہی کوئی بچانے والا۔“



علم اور خشیت الہی

علم اور خشیت الہی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کے پاس جتنا دین کا علم زیادہ ہوگا، اتنا ہی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوگا۔ اگر ایک دل میں علم تو ہو، لیکن اللہ کا ڈر نہ ہو تو ایسے علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ ایسا علم ہلاکت اور تباہی کا سبب بنے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالْدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۖ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝﴾

(الفاطر: ۲۸)

”اور انسانوں، جانوروں اور چوپایوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں، لیکن اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے، بہت بخشنے والا ہے۔“

امام ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ)) اِنَّمَا يَخْشَاهُ حَقَّ خَشْيَتِهِ الْعُلَمَاءُ الْعَارِفُونَ بِهِ لِأَنَّهُ كُلَّمَا كَانَتْ الْمَعْرِفَةُ لِلْعَظِيمِ الْقَدِيرِ الْعَلِيمِ الْمَوْصُوفِ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ الْمَنْعُوتِ بِأَسْمَاءِ الْحُسْنَى كُلَّمَا كَانَتْ الْمَعْرِفَةُ بِهِ أَتَمَّ وَالْعِلْمُ بِهِ أَكْمَلَ كَانَتْ الْخَشْيَةُ لَهُ أَعْظَمَ وَأَكْثَرُ.)) •

”یعنی جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اہل علم ہی ڈرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والے ہیں، کیوں کہ جب اس کی مکمل طور پر پہچان حاصل ہو جائے گی تو اس سے اس کی خشیت اور ڈر بھی جڑ پکڑتا جائے گا، بلکہ زیادہ ہو جائے گا۔“

حقیقی عالم کون ہے؟

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اسی آیت کے تحت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں:

((قَالَ الْعَالِمُ بِالرَّحْمَانِ مِنْ عِبَادِهِ، مَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَاحِلَ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ، وَحَفِظَ وَصِيَّتَهُ، وَأَيَقَنَ أَنَّهُ مُكَافِيهِ وَمُحَاسِبٌ بِعَمَلِهِ.))

”یعنی اللہ کے بندوں میں سے اسے (اللہ کو) صحیح طور پر جاننے والا وہ شخص ہے، جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھے اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھے۔ اور اس کی وصیت کو یاد رکھے، اس کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہو۔“

اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الْعِلْمُ وَالْحِكْمَةُ نُورٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْمَسَائِلِ.)) ①

”علم اور حکمت کثرت مسائل کے فہم کا نام نہیں، بلکہ یہ تو ایک نور ہے، جس کے ذریعے اللہ رب العزت جس کی چاہتے ہیں رہنمائی کرتے ہیں۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَيْسَ الْعِلْمُ عَنْ كَثْرَةِ الْحَدِيثِ وَلَكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ)) ②

”علم بہت زیادہ احادیث کو یاد کر لینے کا نام نہیں، بلکہ علم، کثرتِ خشیتِ الہی کا نام ہے۔“

امام شعبی رحمہ اللہ سے کسی عورت نے سوال کیا کہ مجھے بتائیے، عالم کون ہوتا ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا:

((إِنَّمَا الْعَالِمُ مَنْ خَافَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ .))

”حقیقی عالم تو وہی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہے۔“

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ)) الْخَشْيَةُ بِقَدْرِ مَعْرِفَةِ الْخَشْيِ ، وَالْعَالِمُ يَعْرِفُ اللَّهَ فَيَخَافُهُ وَيَرْجُوهُ ، وَهَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْعَالِمَ أَعْلَى دَرَجَةٍ مِنَ الْعَابِدِينَ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: ﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ فَبَيَّنَ أَنَّ الْكِرَامَةَ يَقْدِرُ التَّقْوَى ، وَالتَّقْوَى يَقْدِرُ الْعِلْمُ ، فَالْكَرَامَةُ يَقْدِرُ الْعِلْمُ لَا يَقْدِرُ الْعَمَلُ نِعَمَ الْعَالِمُ قَدْ حُذِيَ ذَالِكَ فِي عِلْمِهِ .)) •

”یعنی کسی کے دل میں کسی کا خوف اسی مقدار میں ہوگا جتنا اس کی قدر و منزلت کو جانتا ہوگا۔ لہذا عالم اللہ تعالیٰ کی پہچان کی وجہ سے اس سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ عالم عابد سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

((إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ)) (الحجرات: ۱۳)

”بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہے۔“

اس سے واضح ہوتا ہے اللہ کے ہاں عزت و تکریم کی مقدار تقویٰ کے مطابق ہے، اور تقویٰ کی مقدار علم کے مطابق۔

قرب قیامت علم اٹھ جائے گا، ایسے میں اس کی حفاظت کرنے والے علماء ہی ہوں گے:

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَيَّامًا يَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ وَيَرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ ، وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ ، وَالْهَرْجُ: الْقَتْلُ.)) •

”یعنی قیامت سے پہلے کچھ دن ایسے ہوں گے جن میں علم اٹھ جائے گا، اور جہالت عام ہو جائے گی اور کثرت سے (ہرج) ہوگا، یعنی ناحق خون بہایا جائے گا۔“

سیدنا ابراہیم بن عبدالرحمن العذری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوهُ ، يَنْقُوزُ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَافِلِينَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ.)) •

”یعنی اس علم کو ہر جماعت سے آئندہ نیک لوگ لیں گے جو اس (علم) سے حد سے بڑھ جانے والوں کا تغیر دور کریں گے، اور اہل باطل کے جھوٹ کا ابطال کریں گے، اور جاہلوں کی تاویلات سے اس علم کو پاک کریں گے۔“

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَرْفَعَ الْعِلْمُ ، وَيُثَبِّتَ الْجَهْلُ ، وَيُشْرَبَ

① صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ظهور الفتن، ح: ۷۰۶۲۔

② سنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۰۹/۱۰، مشکوٰۃ: ۲۴۸۔

الْخَمْرُ، وَيُظْهِرَ الزِّنَا. ۱۰

”یقیناً قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا یعنی لوگ دین کا علم بہت کم حاصل کریں گے، بلکہ دنیا میں غرق ہو جائیں گے اور جہالت عام ہو جائے گی، شراب پی جائے گی، اور سرعام زنا کاری اور بدکاری ہوگی۔“

مزید برآں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيَعْلَمَ كُمْ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾

(البقرة: ۲۸۲)

”اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دے رہا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بھی اللہ علیم و قدیر نے تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔



عالم اور جاہل کا فرق

یہ بات تو ہر کسی پر عیاں ہے کہ جس طرح آسمان اور زمین جمع نہیں ہو سکتے، جس طرح آگ اور پانی اکٹھے نہیں ہو سکتے، جس طرح مشرق اور مغرب کا اجتماع ناممکن ہے، جس طرح ایمان اور نفاق ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، جس طرح کفر اور اسلام ایک دل میں گھر نہیں کر سکتے، بالکل ایسے ہی علم اور جہالت برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ علم سے اللہ رب العزت کی پہچان حاصل ہوتی ہے، جب کہ جہالت سے انسان اس کی معرفت سے نا آشنا رہتا ہے۔ علم سے اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے، جب کہ جہالت سے یہ تمیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ علم سے سیدھے راستے کا تعین ممکن ہے، جبکہ لاعلمی میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ اس لیے تو اللہ رب العزت نے اس مضمون کو بڑی وضاحت سے قرآن حکیم میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

﴿ اَمَنْ هُوَ قَابَتْ اَنْسَاءُ الْاَيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةً رَبِّهِمْ ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ؕ ﴾ (الزمر: ۹)

”کیا بھلا وہ شخص جو رب العالمین کی رحمت کی امید کے بل بوتے پر، آخرت سے ڈرتے ہوئے اپنی ساری رات قیام و سجود میں گزار دیتا ہے۔ اے نبی! کہہ دے کیا علم والے، اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔“

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝﴾

(العنکبوت: ۴۳)

”ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں جن کو صرف علم والے ہی جانتے ہیں۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((أَيْ وَمَا يَفْهَمُهَا وَيَتَدَبَّرُهَا إِلَّا الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ الْمُتَصَلِّعُونَ مِنْهُ.)) ❶

”یعنی اللہ کی ان بیان کردہ مثالوں کو صرف وہی لوگ سمجھنے کی استطاعت رکھتے ہیں جو اپنے علم میں مضبوط ہیں، اور اس کے پیچ و تاب کو سمجھنے والے ہیں۔“

جہالت اور طلب دنیا:

اللہ تعالیٰ نے قارون کے قصے کو قرآن حکیم میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ وہ ایک دن خوب صورت لباس پہنے ہوئے، بہترین سواری پر سوار ہو کر، خادموں اور لونڈیوں کے جہرٹ میں لوگوں کے سامنے نمودار ہوا تو دنیاوی عیش و عشرت کے خواہش مند حضرات نے بھی یہ خواہش اور تمنا کی کہ کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال و متاع ہوتا، تمام دنیاوی آرائش ہمیں بھی میسر ہوتیں، خوبصورت لباس ان کے مقدر میں بھی ہوتے، یہ بہترین سواریاں اور خادموں اور لونڈیوں کے جہرٹ ان کے پاس بھی ہوتے۔ جب ان کے اس رویے کو اہل علم نے دیکھا تو فوراً کہنے لگے کہ اللہ کے ہاں جو نیک اعمال کا اجر و ثواب ہے۔ وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بایں الفاظ سے بیان کیا ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ط قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

يَلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ
أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا
يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝ ﴿(القصص: ۷۹-۸۰)

”ہں قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا تو دنیاوی زندگی کے متوالے کہنے لگے کاش! کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے، یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ اہل علم انھیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انھیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں، اور نیک اعمال کریں، یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر والے ہوتے ہیں۔“

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جہالت سے پناہ مانگنا:

اللہ تعالیٰ نے گائے کے قصے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو یوں بیان کیا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُؤًا قَالِ اعْزُودُوا بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝﴾

(البقرة: ۶۷)

”اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انھوں نے کہا: ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔“

کسی کا مذاق اڑانا جہالت کی علامت ہے:

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی کا بے جا مذاق اڑانا جہالت کی علامت ہے جو کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے، اسی لیے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کے کہنے پر کہ ﴿قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُؤًا﴾..... ”ہم سے مذاق کیوں کرتے ہو۔“ اس کے جواب میں فرمایا تھا:

﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴾

”کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔“

امام الانبیاء ﷺ کو جاہلوں سے اعراض کا حکم:

اللہ رب العزت نے نبی آخر الزمان، رحمۃ العالمین ﷺ کو جاہل لوگوں سے اعراض کا حکم ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴾

(الأعراف: ۱۹۹)

”آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں، اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔“

جہالت اور بندہ رحمان:

اللہ رب العزت نے جہاں اپنے بندوں کے بہت سارے اوصاف بیان کیے ہیں وہاں ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ ﴾ (الفرقان: ۶۳)

”رحمان کے (بچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی و فروتنی سے چلتے ہیں۔ اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔“

سیدنا نوح علیہ السلام کو وقوع جہالت کی صورت میں وعظ کی تنبیہ:

جب سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے لیے بخشش کی دعا مانگی تو اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کو ان الفاظ سے خبردار کیا:

﴿ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صٰلِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِيْ

مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ ﴿٤٦﴾

(ہود: ۴۶)

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں، تجھے ہرگز وہ چیز نہیں مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہ۔“

جہالت اور سیاحت:

اللہ رب العزت نے جہاں انسان کو قرآنی حقائق پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے، وہاں زمین کے اندر چلنے پھرنے اور اس کے حالات پر غور و فکر کی طرف بھی راغب کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ

قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ۝ ﴾ (محمد: ۱۰)

”کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا نتیجہ ہوا؟ اللہ نے انھیں ہلاک کر دیا، اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ

قَبْلِهِمْ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ ﴾

(یوسف: ۱۰۹)

”کیا زمین میں چل پھر کر انھوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی

تم نہیں سمجھتے۔“

عالم اور جاہل کی اندھے اور بینا سے مثال دینا:

انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کی سمجھ سے بالاتر ہو اگر اس کی کوئی مثال پیش کر دی جائے تو اس چیز کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اللہ رب العزت نے بھی علم اور جہالت کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لیے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے مثالیں پیش کی ہیں۔ ان مثالوں پر تبصرہ کرتے ہوئے رب کائنات فرماتا ہے:

﴿وَبَلَّغَ الْأَمْثَالَ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝﴾

(العنکبوت: ۴۳)

”اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں، جنہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔“

ان مثالوں میں سے ایک مثال ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ ۝﴾ (الرعد: ۱۹)

”کیا وہ شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔ یقیناً نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔“

جہالت، قیامت کی نشانی ہے:

سیدنا ابواسمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگ جاہلوں سے علم حاصل کریں گے۔“

علم اور دُعا

دعا کا علم کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق ہے جیسا کہ گذشتہ ابواب میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾

”اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علم والے اللہ کا خوف رکھتے ہیں۔“

تو اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ سے دعا بھی وہی مانگے گا، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہوگا۔

یہ تو تھی ایک عقلی دلیل، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا علم سے بہت گہرا تعلق ہے۔ لیکن یہاں پر ایک مستقل باب اس عنوان سے قائم کرنے سے ہمارا مقصود صرف یہی ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان دعاؤں کو نقل کر دیا جائے جن میں حصولِ علم کے لیے دعائیں کی گئی ہیں۔

پہلی دُعا:

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے زیادتی علم کی دعا کرتے رہیں:

﴿ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝ ﴾ (طہ: ۱۱۴)

”اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔“

صاحب ”فتح البیان“ رقمطراز ہیں کہ رب کائنات نے اپنے رسول کو علم کے علاوہ کسی بھی چیز میں زیادتی طلب کرنے کی نصیحت نہیں کی۔

دوسری دُعا:

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ ﴾ (البقرة: ۱۲۷-۱۲۸)

”اے اللہ! ہمارے اس عمل کو شرف قبولیت سے نواز دے۔ تو ہی (دعاؤں کو خوب) سننے والا (اعمال کو خوب) جاننے والا ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو نکال جو تیری فرمانبردار ہو۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

تفسیر السعدی میں فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی اس حالت کو یاد کرو جب وہ بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے، اور اس عظیم کام پر تسلسل اور پابندی سے لگے ہوئے تھے، اور یہ کہ اس وقت ان پر خوف اور اُمید کی سی کیفیت طاری تھی، حتیٰ کہ اس عظیم عمل کے باوجود انھوں نے دعا کی کہ ان کا عمل قبول کیا جائے، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو، اور انھوں نے اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے اسلام کی دعا کی جس کی حقیقت قلب کا خشوع و خضوع ہے اور دل کا اپنے رب کا مطیع ہو جانے اور اعضاء و جوارح کے فرماں بردار ہونے کو متضمن ہے۔

تیسری دُعا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَنْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا)) ❶

❶ سنن ابن ماجہ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ، رقم: ۲۵۱۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

”اے اللہ! جو تو نے مجھے سکھایا ہے اسے میرے لیے نفع مند بنا اور مجھے ایسا علم عطا فرما جو میرے لیے نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔“

چوتھی دُعا:

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:
 ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ ،
 وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا یُسْتَجَابُ لَهَا .)) •
 ”اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس دل سے جو
 ڈرے نہ اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو، اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔“

پانچویں دُعا:

جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سامنے دعوتِ توحید رکھنے کا حکم ملا تو انھوں نے اللہ
 تعالیٰ سے دُعا کی:

﴿ رَبِّ اشرحْ لی صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لیْ اَمْرِیْ ۝ وَاخْلُ عَقْدَةَ مِنْ
 لِّسَانِیْ ۝ یَقْفُھُا قَوْلِیْ ۝ ﴾ (طہ: ۲۵-۲۸)

”اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے، اور میرا کام آسان
 کر دے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔“

چھٹی دُعا:

نبی مکرم، شافعِ محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی:
 ((اَللّٰهُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ .)) •

① صحیح مسلم، باب الذکر والدعاء، رقم: ۶۹۰۶۔

② صحیح بخاری، باب وضع الماء عند الخلاء، رقم: ۱۴۳، صحیح مسلم، باب فضائل عبد اللہ بن

عباس، رقم: ۶۳۶۸۔

”اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔“

پس ہمیں بھی دعا کرنی چاہیے:

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْنَا فِي الدِّينِ .))

”اے اللہ! ہمیں دین کی سمجھ عطا فرما۔“

ساتویں دعا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا

وَمُتَقَبَّلًا))^①

”اے اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والے علم، قبول ہونے والے عمل اور پاکیزہ

حلال) رزق کا سوال کرتا ہوں۔“



① سنن ابن ماجہ، باب ما یقال بعد التسلیم، رقم: ۹۲۵۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

علم کی اہمیت

علم کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ یہاں سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہونے والی پہلی وحی تعلیم و تعلم سے متعلق ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾

(العلق: ۱-۵)

”اے پیغمبر! آپ پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھئے اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اسلام کی تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی مقدس کتاب میں احکام کی صورت میں نازل کیا ہے، بالکل اسی طرح اسلامی احکام کو سیکھنے پر بھی زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝﴾ (التوبة: ۱۲۲)

”اور مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ سب ہی (میدانِ جہاد میں) نہ نکل کھڑے ہوں۔ سوایا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت

جایا کرے، تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور تاکہ یہ لوگ جب اپنی قوم کے پاس واپس جائیں، تو انھیں ڈرائیں، تاکہ وہ ڈر جائیں۔“

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ قَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ .)) •

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“



① سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ح: ۲۲۴. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

اہل علم اور بلندی درجات

اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو باعتبار فضائل و مناقب ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔ اپنی اسی سنت کو برقرار رکھتے ہوئے رب العالمین کا ارشاد عالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا
يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ
آمَنُوا مِنْكُمْ ۖ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٌ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرٌ ۝﴾ (المجادلہ: ۱۱)

”اے ایمان والو! جب تمہیں مجلسوں میں کشادہ ہو کر بیٹھنے کو کہا جائے تو
(دوسروں کے لیے) جگہ کو کشادہ کر دو (اس کے بدلے میں) اللہ تمہیں کشادگی
دے گا اور (اسی طرح) جب تمہیں کھڑا ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جاؤ، تم
میں سے ایمان والوں اور اہل علم کے درجات کو اللہ تعالیٰ بلند فرمادیں گے۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ مومنوں کو
غیر مومنوں پر اہل علم کو غیر اہل علم پر کئی گنا فوقیت دیتا ہے۔ تو جو شخص ایمان اور علم دونوں سے
بہرہ ور ہوگا، اسے اللہ تعالیٰ ایمان کی وجہ سے کئی درجات دے گا، اور پھر علم کی وجہ سے بھی کئی
درجات کو بلند فرمائے گا۔“ ❶

یہاں پر ایک بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ بلندی درجات کے لیے علم کے
ساتھ تقویٰ اور خوفِ الہی کا دل میں پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ کسی کے

پاس علم تو ہو، لیکن اس کے دل میں خشیت الہی موجود نہ ہو، تو ایسا علم بلندی درجات کے بجائے ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ رحمتہ للعالمین ﷺ ہے:

((إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ)) •

”بے شک اللہ رب العزت اس کتابِ مقدس کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلندی درجات سے نواز دیتے ہیں اور کچھ لوگوں کو پستی کی گہرائیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔“



① صحیح مسلم، باب فضل من يقوم بالقرآن و یعلمہ، و فضل من تعلم حکمة من فقه او غیرہ فعمل بہا و علمہا، رقم: ۱۸۹۷.

علم اور حکمت

علم اور حکمت لازم و ملزوم چیزیں ہیں، اور یہ حکمت اللہ تعالیٰ علم کی وجہ سے علم والوں کو ہی عطا کرتا ہے۔ کلام حکمت بہت بڑی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، جو ہر کسی کو عطا نہیں کی جاتی، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا

كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝﴾ (البقرة: ۲۶۹)

”وہ (اللہ تعالیٰ) جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے، اور جس شخص کو حکمت عطا کر دی گئی، اسے بہت ساری بھلائی مل گئی، اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔“

تفسیر ”السعدی“ میں فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم احکامات نازل فرمائے ہیں، جن میں بہت سے اسرار اور بہت سی حکمتیں ہیں، اور ان پر عمل کی توفیق ہر کسی کو نہیں ملتی، بلکہ صرف اسی کو ملتی ہے، کہ جس پر اللہ کا خاص احسان ہو اور جسے اللہ حکمت عطا فرمادے، حکمت سے مراد علم نافع، عمل صالح، اور شریعت کے اسرار اور حکمتوں سے واقفیت ہے، جسے اللہ ایسی حکمت دے دے اسے اللہ نے بہت بھلائی عطا فرمادی، اس بھلائی سے عظیم تر بھلائی کون سی ہو سکتی ہے، جس میں دنیا اور آخرت کی خوش نصیبی پنہاں ہو اور جس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی بد نصیبی سے نجات مل

جائے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعمت خاص لوگوں کو ملتی ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہے پس بندے کو کمال صرف حکمت سے حاصل ہو سکتا ہے، کیونکہ کمال نام ہے علمی اور عملی قوت کے کامل ہونے کا علمی قوت تو حق کی معرفت سے اور اس کے مقصود کی معرفت سے کامل ہوتی ہے۔

علم و حکمت امام مالک رحمہ اللہ کی نظر میں:

اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

((وَإِنَّهُ يَنْفَعُ فِي قَلْبِي إِنَّ الْحِكْمَةَ هِيَ الْفِقْهُ فِي دِينِ اللَّهِ وَأَمْرٌ يُدْخِلُهُ اللَّهُ فِي الْقُلُوبِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَفَضْلِهِ وَمِمَّا يَبِينُ ذَلِكَ إِنَّكَ تَجِدُ الرَّجُلَ عَاقِلًا فِي أَمْرِ الدُّنْيَا إِذَا نَظَرَ فِيهَا وَتَجِدُ آخَرَ ضَعِيفًا فِي أَمْرِ دُنْيَاهُ، عَالِمًا بِأَمْرِ دِينِهِ بَصِيرٌ بِهِ يُؤْتِيهِ اللَّهُ إِيَّاهُ وَيَحْرِمُهُ هَذَا فَالْحِكْمَةُ الْفِقْهُ فِي دِينِ اللَّهِ)) ①

”اور میرے دل میں یہ بات پختہ ہو چکی ہے کہ حکمت دین میں فقاہت کا نام ہے۔ اور ایسی بات کو بھی حکمت کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے دل میں داخل کر دیتے ہیں۔ اور اس کی وضاحت اس تجربے سے بھی ہوتی ہے کہ بسا اوقات بعض آدمی دنیاوی معاملات کو اچھی طرح سمجھنے والے ہوتے ہیں، لیکن اس کے مقابلے میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو دنیاوی معاملات میں تو پختہ رائے کے مالک نہیں ہوتے، لیکن دینی معاملات میں بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کی گہرائیوں سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ (دنیا جاننے والے کو تو) اللہ نے (دنیا ہی) دے دی، لیکن اس کو دین کی فقاہت سے محروم رکھا۔ (تو معلوم ہوتا ہے کہ) حکمت دین میں فقاہت کا نام ہے۔“

نبی مکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تعلیم حکمت:

نبی مکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تعلیم حکمت بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ٥﴾ (الجمعة: ٢)

”(اللہ) وہ ذات ہے کہ جس نے ”اُمّی“ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس (نبی کی بعثت) سے پہلے یقیناً وہ واضح گمراہی پر تھے۔“

حکمت ایسی نعمت ہے کہ جس پر رشک کیا جاسکتا ہے:

حکمت اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جس پر رشک کیا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا، فَسَلَّطَهُ عَلَىٰ هَلَكَةٍ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ حِكْمَةً، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا)) ❶

”دو آدمیوں کے علاوہ اور کسی آدمی پر رشک کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ آدمی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس کو حق کے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور دوسرا وہ آدمی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا، جس کے

ذریعے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔“

سیدنا یوسف علیہ السلام اور حکمت:

سیدنا یوسف علیہ السلام جب جوانی کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم اور حکمت جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ کیا ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝﴾ (یوسف: ۲۲)

”اور جب (سیدنا یوسف علیہ السلام) پوری جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے انھیں قوت و فیصلہ (حکمت) اور علم دیا اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔“



علماء اور توحید

سیدنا آدم علیہ السلام سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت، دعوتِ توحید تھی اب چونکہ آپ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے، لہذا آپ ﷺ کے بعد اس دعوت کے وارث حقیقی علماء کرام ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ)) ❶

”کہ علماء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔“

لہذا اس دعوت کو اس کے حقیقی رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا علماء کرام کی اہم ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے ”الہ“ ہونے کی خود گواہی دی، اور ساتھ اس گواہی میں فرشتوں اور علماء کرام کو بھی شامل کر لیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا الْمَلِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا

بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۸)

”اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے

علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس

غالب اور حکمت والے کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

علماء کرام کی قدر و منزلت کا اندازہ اس آیت کریمہ سے بطریق احسن لگایا جاسکتا ہے کہ

اس گواہی میں اللہ رب العزت نے عابدوں، صوفیوں اور دنیا داروں کو شامل نہیں کیا، بلکہ

صرف اور صرف علماء کرام کو شامل کیا ہے۔

❶ سنن ابو داؤد، کتاب العلم، رقم: ۳۶۴۱، سنن ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقه، رقم: ۲۶۸۲۔
اسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اہل علم کی گواہی اس لیے معتبر ہے کہ تمام دینی امور میں انہی سے رجوع کیا جاتا ہے، خصوصاً سب سے عظیم و سب سے زیادہ جلالت و شرف والے مسئلے یعنی توحید کے مسئلہ میں علماء کا ازل سے آخر تک اس پر اتفاق ہے، انھوں نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی ہے اور توحید تک پہنچنے کے راستے بتائے ہیں، لہذا مخلوق پر واجب ہے کہ اتنی عظیم گواہیوں والے حکم کو تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سب سے زیادہ شرف والا کام توحید کو جاننا ہے، لہذا اس کی گواہی اللہ نے خود دی ہے اور اپنی مخلوق میں سے عظیم ترین افراد کو اس کا گواہ بنایا ہے۔ شہادت (گواہی) علم و یقین کی بنیاد ہی پر دی جاسکتی ہے، جو آنکھ سے مشاہدہ کے برابر ہو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص توحید کے معاملہ میں اس مقام تک نہیں پہنچتا، وہ اہل علم میں شامل نہیں۔“

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حالانکہ وہ تو اس کے اولین حق دار تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس علم کو پھیلانے کا اصل منبع اور ذریعہ تو انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہیں، لہذا جب شاگرد کا تذکرہ کر دیا جائے تو اس میں استاد کا نام خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔ لہذا اس آیت کریمہ میں (أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا) سے سب سے پہلی مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اس کے بعد علماء کرام ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلِّبُكُمْ وَمَنْوُكُمْ ۝﴾ (محمد: ۱۹)

”(اے نبی!) آپ جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں، اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے حق میں بھی (بخشش مانگا کریں) اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی آمد و رفت اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔“



علم اور اہل علم

اللہ عزوجل کی توحید کی شہادت اور اس بات کی شہادت اور گواہی کہ عدل و انصاف اور اعتدال اس کی صفت ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں اہل علم کی بھی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ رب العزت نے توحید کی شہادت کی خاطر انھیں خاص کر دیا، ان کی گواہی کو اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ جوڑ دیا اور اسے توحید کی بہت بڑی دلیل قرار دیا، اور مخلوق کے لیے ان کی شہادت کو قبول کرنا لازم قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا ۚ

بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۸)

”اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور فرشتے اور اہل علم گواہی دیتے ہیں، وہ (اپنے احکام میں) عدل پر قائم ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو عزت والا اور حکمت والا ہے۔“

پس علم کی بدولت علماء کا احترام بھی ضروری ہے، چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ)) ①

”بے شک یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حصہ ہے کہ آدمی سفید بالوں والے مسلمان

کا احترام کرے، اور قرآن میں غلو نہ کرنے والے، اس سے بے پروائی نہ کرنے والے حافظ قرآن کی عزت کرے، اور عادل بادشاہ کی تکریم کرے۔“

اہل علم مرتبہ کے اعتبار سے بڑے ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے اس جہان رنگ و بو میں برکت ہے، ان کا احترام کرنا انتہائی ضروری ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْبِرَّكَةُ مَعَ اَكْبَرِكُمْ)) ❶

”برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔“

اور دنیا و ما فیہا سب ملعون ہیں سوائے علم اور ذکر الہی کے، تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ کوئی شخص علم اور اہل علم کا احترام کرے۔ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی سب ملعون ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے متعلقات کے، اور طالب علم اور اہل علم کے۔“ ❷



❶ مستدرک حاکم، رقم: ۲۱۸، سلسلة الأحادیث الصحیحة، رقم: ۱۷۷۸.

❷ سنن ابن ماجہ، باب مثل الدنیا، رقم: ۴۱۱۲، سلسلة الأحادیث الصحیحة، رقم: ۲۷۹۷.

علم، علماء اور نصیحت

خود اچھے کام کرنا، اور دوسروں کو ان کی ترغیب دینا علماء کا انتہائی اہم فریضہ ہے۔ دوسروں کو اچھے کام کی ترغیب دینے کو نصیحت کہتے ہیں۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝﴾

(الاعراف: ۶۲)

”میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“

اسی طرح سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی:

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝﴾ (الاعراف: ۶۸)

”میں تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔“

اسی طرح استفسار پر کسی کو اچھا مشورہ دینا بھی نصیحت (خیر خواہی) ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ذمے حقوق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ.....وَإِذَا سْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ)) ۝

”مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں.....جن میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب وہ مشورہ طلب کرے، تو خیر خواہی کا مشورہ دے۔“

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے پورے کے پورے دین کو تمام انسانیت کے

لیے نصیحت قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الَّذِينَ النَّصِيحَةُ: قَالُوا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لِلَّهِ
وَلِرَسُولِهِ وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ.))^①

”دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا) اللہ کے
رسول! دین کن لوگوں کے لیے خیر خواہی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ
کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور عوام
الناس کے لیے۔“

رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی کسی نو مسلم آنے والے سے بیعت
کرتے تو جہاں اس کو نماز کی فرضیت اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے وہاں یہ بھی فرمایا کرتے
تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہانہ رویہ رکھنا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ
سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

((بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ
الزَّكَاةِ، وَالنَّصِيحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.))^②

”کہ میں نے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر ایک مسلمان سے خیر خواہی
کرنے کی بنیاد پر نبی ﷺ سے بیعت کی۔“

حدیث ”الَّذِينَ النَّصِيحَةُ“ کے مفہوم کی وضاحت:

اس حدیث کے متعلق امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے بہت سارے اقوال کو جمع کیا ہے۔
لیکن یہاں پر اختصار کے پیش نظر ہم صرف ایک قول کو ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

① صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الذین النصیحة، حدیث (۹۵۵/۹۵)۔

② صحیح البخاری، کتاب الایمان، رقم: ۵۷، صحیح مسلم، باب بیان ان الذین النصیحة: ۵۶،

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((النَّصِيحَةُ كَلِمَةٌ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جُمْلَةٍ هِيَ إِرَادَةُ الْخَيْرِ لِلْمَنْصُوحِ لَهُ، قَالَ: وَأَصْلُ النَّصِيحِ فِي اللُّغَةِ: الْخُلُوصُ يُقَالُ: نَصَحْتُ الْعَسَلَ إِذَا خَلَصْتُهُ مِنَ الشَّمْعِ.))^①

”یعنی نصیحت ایک ایسا کلمہ ہے جو ایسے جملہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس سے منصوح لہ (جس کو نصیحت کی جارہی ہے) کے لیے خیر اور بھلائی مراد ہو۔“

اور لغت میں نصیحت کا معنی ہے: خلوص۔ جیسا کہ عربی میں ”نَصَحْتُ الْعَسَلَ“ (میں نے شہد کو جدا کر لیا) اس وقت کہا جاتا ہے، جب اس کو موم اور چھتے سے بالکل جدا کر لیا جائے۔ آگے لکھتے ہیں:

۱۔ ((فَمَعْنَى: النَّصِيحَةُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ: صِحَّةُ الْإِعْتِقَادِ فِي وَحْدَانِيَّتِهِ وَإِخْلَاصُ الْبَيَّةِ فِي عِبَادَتِهِ.))

۲۔ ((وَالنَّصِيحَةُ لِكِتَابِهِ: الْإِيمَانُ بِهِ وَالْعَمَلُ بِمَا فِيهِ.))

۳۔ ((وَالنَّصِيحَةُ لِرَسُولِهِ: التَّصْدِيقُ بِنُبُوَّتِهِ وَبَذُلُ الطَّاعَةِ لَهُ فِيمَا أَمَرَ بِهِ وَنَهَى عَنْهُ.))

۴۔ ((وَالنَّصِيحَةُ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ: إِرْشَادُهُمْ إِلَى مَصَالِحِهِمْ))^②

(۱) ”النصیحة للہ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی توحید کے بارے میں عقیدہ کا درست ہونا اور اخلاص نیت سے اس کی عبادت کرنا۔

(۲) ”النصیحة لکتابہ“ کا معنی یہ ہے کہ اس (کے منزل من اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا، اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا۔

① جامع العلوم والحکم، ص: ۹۸، طبع دار الحديث، القاهرة.

② جامع العلوم والحکم لابن رجب حنبلی، ص: ۹۸.

(۳) ”النصيحة لرسوله“ کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی (صدقی دل سے) تصدیق کرنا، اور آپ کے اوامر و نواہی کو تسلیم کرنا۔

(۴) ”النصيحة لعامة المسلمين“ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اصلاح کی طرف رہنمائی کرنا۔“

نصیحت کیسے کی جائے؟

ہم نصیحت کی اہمیت اور اس کا معنی و مفہوم گزشتہ سطور میں قدرے تفصیل سے بیان کر آئے ہیں، اب ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کسی کو نصیحت کرنے کا انداز کیسا ہونا چاہیے؟ تو اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ ہر اس مناسب انداز سے نصیحت کی جاسکتی ہے، جو منصوح لہ (جس کو نصیحت کی جارہی ہے) کے لیے عار کا باعث نہ ہو۔

افادہ کے لیے ذیل کی سطور میں سنت نبوی ﷺ سے ثابت شدہ کچھ طریقے تحریر کیے جارہے ہیں:

۱۔ پہلا طریقہ: سب سے پہلا طریقہ جس کی مثال احادیث نبویہ میں کثرت سے موجود ہے، وہ یہ کہ منصوح لہ خود نصیحت کا جذبہ اور جستجو لے کر آئے، اور اپنی زبان سے یہ بات کہے کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجیے۔ نصیحت کے اس طریقہ میں بہت ہی وسعت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں سائل خود نصیحت کا جذبہ اور جستجو لے کر آتا ہے اور ایسے آدمی کو ہر بات وضاحت سے سمجھائی جاسکتی ہے۔ اس کی مثال۔

((اَوْصِنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ))

”اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمادیجیے۔“

تو آپ ﷺ آنے والے شخص کے حالات کو دیکھ کر اس کو بڑے ہی واضح انداز میں نصیحت فرمادیا کرتے تھے۔

چنانچہ جلیل القدر صحابی رسول سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے

رسول اللہ ﷺ سے کہا:

((أَوْصِنِي، قَالَ: أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ وَعَلَيْكَ بِالْجِهَادِ فَإِنَّهُ رَهْبَانِيَّةُ الْإِسْلَامِ)) ❶

”کہ اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی نصیحت کیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ تقویٰ ہی ہر چیز کی بنیاد ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، کیونکہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے۔“

۲۔ دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ کسی میں کوئی کوتاہی نظر آئے تو اس کوتاہی کے متعلق متنبہ کرنے کے ساتھ ساتھ قابل اصلاح دوسرے امور کو بھی ذکر کر دیا جائے۔

جیسا کہ سیدنا عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آپ کے ساتھ بیٹھا کھانا کھاتے ہوئے پوری پلیٹ میں اپنے ہاتھ کو گھما رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا غُلَامُ! سَمِعَ اللَّهُ وَكُلَّ بَيْمِينِكَ وَكُلَّ مِمَّا يَدِيكَ)) ❷

”اے بچے! اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔“

غور کیجیے! اس حدیث میں آپ ﷺ نے کیسے حکمت بھرے انداز سے اس بچے کو کھانے کے مکمل آداب بھی بتادیئے، اور اس کی غلطی سے آگاہ بھی کر دیا کہ جس کی تنقید کا اسے احساس تک نہیں ہوا۔

۳۔ تیسرا طریقہ: نصیحت کا تیسرا طریقہ جو آپ ﷺ کی سنت مطہرہ سے ثابت ہے، یہ ہے کہ کسی ایک کی غلطی کو دیکھ کر تمام لوگوں کو اجتماعی طور پر اس غلطی سے رکنے کی نصیحت کر دی جائے۔

❶ مسند احمد، ح: ۱۱۳۴۹، المعجم الصغير للطبرانی، ص: ۱۹۷، سلسلة الاحاديث الصحيحة،

رقم: ۵۵۵۔

❷ صحيح بخاري، كتاب الأطعمة، رقم: ۵۳۷۶۔

جیسا کہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جب انھوں نے بریرہ کو جس نے اپنے آقا سے مکاتب کر رکھی تھی۔ آزاد کروانے کا ارادہ کیا، لیکن ولاء (آزاد کردہ غلام کا سامان) کی شرط لگادی کہ وہ مجھے ملے گا، لیکن بریرہ کے مالک نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب رسول اکرم ﷺ کو پتہ چلا، تو آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے، اور حمد و ثناء کے بعد یوں گویا ہوئے۔

((أَمَا بَعْدُ! فَمَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةً شَرْطٍ كِتَابُ اللَّهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ.)) ❶

”اما بعد! ان لوگوں کی کیا حالت ہے، وہ (اپنے معاملات میں) ایسی شرائط عائد کرتے ہیں، جن کا کتاب اللہ میں سرے سے کوئی ذکر ہی موجود نہیں ہے (یاد رکھو!) ہر وہ شرط جس کا کتاب اللہ میں ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں باطل ہیں۔ اللہ کی کتاب برحق ہے، اور اللہ کی شرائط سب سے مضبوط ہیں بے شک ولاء اسی کا حق ہے، جو (غلام کو) آزاد کرے۔“

اس کے علاوہ اور بھی احادیث نبویہ سے ایسے انداز ملتے ہیں۔ جن کے ذریعے دوسروں کو نصیحت کی جاسکتی ہے۔

بہر حال کسی کو نصیحت کرنے کے لیے ہر اس طریقے کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے کہ جس میں ”منصوح لہ“ کی عزت بھی مجرد نہ ہو اور اسے نصیحت بھی کر دی جائے۔



علم اور رحمتِ الہی

علم شرعی اللہ عزوجل کا عظیم فضل و احسان اور بہترین رحمت الہی ہے، علم کے آجانے پر انسان اللہ عزوجل سے اس کی رحمت کا سوال کرتا ہے وگرنہ نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَقْنَطْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الصَّالُونَ ۝﴾ (الحجر: ۵۶)

”مگر اہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کوئی ناامید نہیں ہو سکتا ہے؟“

سیدنا قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسولِ مکرم ﷺ کے پاس آیا، آپ نے مجھ سے پوچھا: اے قبیصہ! آپ کس غرض سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، پس میں آپ کے پاس آیا ہوں، آپ مجھے علم سکھائیے جو کہ میرے لیے نفع مند ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے قبیصہ! آپ جس جس پتھر، درخت اور مکان کے پاس سے گزر کر علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس نے تمہارے لیے دعائے مغفرت کی ہے۔ تم جب نماز فجر پڑھ لو تو کہو:

((سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ .))

”اللہ عظیم و برتر ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، اور ہر قسم کی تعریف اسی کی ہے۔“

تم بینائی سے محرومی، کوڑھ اور فالج سے محفوظ رہو گے، اور اے قبیصہ! یہ دعا کیا کرو۔

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِمَّا عِنْدَكَ ، وَاَفْضِلْ عَلَیَّ مِنْ فَضْلِكَ ،

وَاَنْشُرْ عَلَیَّ رَحْمَتَكَ ، وَاَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ .)) ❶

”اے میرے اللہ! میں آپ سے وہ کچھ مانگتا ہوں جو آپ کے پاس ہے، یعنی

مجھ پر اپنا فضل کر دے۔ مجھے اپنی وافر رحمت عطا فرما، اور مجھ پر اپنی برکات نازل فرما۔“

مذکورہ بالا حدیث میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عظیم طالب علم کو یہ درس دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے رہنا۔ پس معلوم ہوا کہ علم کا تقاضا ہے کہ اللہ رحیم و کریم سے اس کے کرم و رحمت اور جو دو سخاء کا سوال کیا جائے۔



علم اور ایمان

ایمان اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کو نصیب ہو جائے، دنیا و مافیہا سے بہتر ہو جاتا ہے، کیونکہ دلوں میں جتنا ایمان راسخ اور پختہ ہوگا، اسی قدر اللہ کا ڈر اور تقویٰ بھی زیادہ ہوگا۔

اور ان تمام چیزوں کا حصول علم کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان تو ہو لیکن اس کے متعلق درست عقائد کا علم نہ ہو، تو یہ ایمان ہدایت کی بجائے گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے برعکس علم رکھنے والے آدمی کے گمراہ ہونے کے کم ہی مواقع ہوتے ہیں۔ یہی حال تقویٰ کا ہے کہ دل کے اندر اللہ کا ڈر پایا جائے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح ”کتاب العلم“ میں باب قائم کرتے ہیں:

((بَابُ: اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ))

”اس چیز کا بیان کہ قول و عمل سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔“

اور بطور دلیل کے اللہ علیم وخبیر کا فرمان عالی شان ذکر فرماتے ہیں:

﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ط ﴾ (محمد: ۱۹)

”آپ جان لیں، یقیناً اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔“

بہر حال علم کے بغیر صحیح خطوط پر رضائے الہی کا حصول مشکل ہے، کیوں کہ لاعلمی کی حالت میں انسان کوئی ایسا عمل کر جائے جو اس کے خیال میں تو رضائے الہی کا سبب ہو لیکن اس کے برعکس حقیقت میں وہ عمل غضب الہی کا موجب بن جائے اور انسان لاعلمی کی وجہ سے رفعت درجات کی بجائے پستی کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ ﴾

(الکھف: ۱۰۳-۱۰۴)

”اے محمد ﷺ! فرمادیں! کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر دوں جو اعمال کرنے کے باوجود انتہائی خسارے میں جا رہے ہیں؟ وہ لوگ جن کی کوششیں دنیا میں ہی برباد ہو کر رہ گئیں، حالانکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ بہت اچھے عمل کر رہے ہیں۔“

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور اہل علم کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم اور ایمان لازم و ملزوم ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرَفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۝ ﴾ (المجادلہ: ۱۱)

”اور جب تمہیں کہا جائے کہ (مجلس سے) اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ تو تم اٹھ کھڑے ہو جایا کرو، اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور اہل علم کے درجات کو بلند فرمائے گا۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ جب وہ قرآن کی کسی متشابہ آیت کو دیکھتے ہیں تو بلا تاویل کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ

إِلَّا أُولَئِكَ الْآلُفَابِ ۝ ﴿آل عمران: ۷﴾

”وہی (اللہ تعالیٰ کی) ذات ہے جس نے آپ پر کتاب کو نازل فرمایا جس کی بعض آیات محکم ہیں جو اصل کتاب ہیں، اور بعض آیات تشابہات ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ فتنے کی طلب اور ان آیات کی تاویلات کی جستجو کے لیے ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان آیات کا صحیح مفہوم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ (اس کے برعکس) پختہ علم والے (تشابہہ آیات کے بارے میں) کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں یہ (نازل شدہ کتاب) سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو ذکر کرنا انتہائی مناسب ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ ۙ قَالَتْ: تَلَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ..... الْخ﴾ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَى اللَّهُ فَأَحْذَرُوهُمْ.)) ۝

”اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ..... الْخ﴾ پھر فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے، وہی لوگ ہیں جو تشابہہ آیات کی تاویل میں لگ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بچو۔“

اور بعض مفسرین ”راخین فی العلم“ کے بارے میں آپ ﷺ کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُوِّلَ عَنِ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ ، فَقَالَ : مَنْ بَرَتْ يَمِيْنُهُ وَصَدَقَ لِسَانُهُ وَاسْتَقَامَ قَلْبُهُ ، وَمَنْ عَفَّ بَطْنُهُ وَفَرَجُهُ فَذَلِكَ مِنَ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ .)) ❶

”کہ رسول اللہ ﷺ سے ”راسخین فی العلم“ کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم کو پورا کرنے والے، سچی زبان والے، اپنے پیٹ کو (حرام کمائی سے) بچانے والے اور اپنی شرم گاہ کو (زنا سے) بچانے والے پس یہی لوگ ”راسخین فی العلم“ ہیں۔“



بیانِ حق اور کتمانِ علم

اسلام ہمیں ہر حالت میں حق گوئی کا حکم دیتا ہے، اور کسی بھی حالت میں حق سے انحراف کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآنِ حکیم نے تین قسم کے لوگوں کے علاوہ باقی تمام انسانوں کو خسارے کی گہرائیوں میں گرتا ہوا قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾ (العصر)

”زمانے کی قسم! بے شک انسان سراسر نقصان اور خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کیے، اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ حق گوئی میں اعراض سے کام نہیں لیں گے، لیکن انھوں نے اس وعدے کی پاسداری نہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت ان الفاظ میں کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنَنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا

تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبُئْسَ مَا

يَشْتَرُونَ ۝﴾ (آل عمران: ۱۸۷)

”اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم اسے لوگوں سے ضرور

بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی انھوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ

پیچھے ڈال دیا، اور اسے کم قیمت کے بدلے بیچ ڈالا، ان کا یہ سودا بہت بُرا ہے۔“

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”یثاق اس عہد کو کہتے ہیں جو بہت موکد اور بھاری ذمہ داری کا حامل ہو۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے لیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی اور اسے علم سے نوازا، اس سے یہ عہد لیا کہ لوگ اس کے علم میں سے جس چیز کے محتاج ہوں، وہ ان کے سامنے بیان کرے، اور ان سے کوئی چیز نہ چھپائے اور نہ علم بیان کرنے میں بخل سے کام لے، خاص طور پر جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے یا کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جو علمی راہنمائی کا متقاضی ہو، پس اس صورت حال میں ہر صاحب علم پر فرض ہے کہ وہ مسئلہ کو بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دے۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق سے نوازا ہے، وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم ان کو عطا کیا ہے وہ اسے اللہ کی رضا کی خاطر لوگوں پر شفقت کی وجہ سے اور کتمان علم کے گناہ سے ڈرتے ہوئے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔“ ❶

کتمان علم کی سزا:

اللہ تعالیٰ نے کتمان علم کی سزا قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان کی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهَدَىٰ وَالْعَذَابِ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝﴾ (البقرة: ۱۷۴-۱۷۵)

”بے شک وہ لوگ جو اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کو کم

قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا، یہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب کو خرید لیا ہے۔“

مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”کسمان حق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ پیشہ ور قسم کے لوگ اس کے عوض کچھ نہ کچھ دنیوی مفاد اور مال و دولت حاصل کر لیتے ہیں، آیات کی تاویل یا فقہاء کے مختلف اقوال کو بنیاد بنا کر غلط فتویٰ دیتے ہیں، اس طرح ایک طرف تو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں ان سے پیسے وصول کرتے ہیں اور لطف کی بات یہ کہ فتویٰ جتنا زیادہ غلط قسم کا ہوتا ہے ہی ان کے دام زیادہ وصول کیے جاتے ہیں، یہ مال بلاشبہ حرام ہے۔ جو دوزخ کی ظاہری آگ کے علاوہ ان کے اندر بھی آگ لگا دے گا۔“^①

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لَّنَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ط إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ط مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (النحل: ۱۱۶-۱۱۷)

”کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے، اور یہ حرام، تاکہ اللہ پر بہتان باندھ لو۔ بے شک اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ انہیں بہت معمولی فائدہ پہنچتا ہے، اور ان کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔“

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ ءَاللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ۝ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝ ﴾ (یونس: ۵۹-۶۰)

”آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حصہ حلال قرار دے دیا۔ آپ پوچھیں! کیا تمہیں اللہ نے اس کا حکم دیا تھا یا اللہ پر افتر اباندہ تھے ہو، اور جو لوگ اللہ پر افتر اباندہ تھے ہیں، ان کا قیامت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ واقعی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے، لیکن اکثر لوگ ناقد رے ہیں۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص سے علم کے بارے میں سوال کیا گیا، اور اس نے اسے چھپایا تو اسے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔“^①

اللہ تعالیٰ کے بارے میں لاعلمی کی بنیاد پر بات کہنے کی حرمت:

اللہ تعالیٰ نے لاعلمی کی صورت میں اپنی طرف کسی بات کو منسوب کرنے سے سختی سے منع

فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ﴾ (الاعراف: ۳۳)

① سنن ابن ماجہ، مقدمہ، رقم: ۲۶۶۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

”آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے، پوشیدہ اور اعلانیہ فحاشی کو، اور ہر گناہ کی بات کو اور کسی پر ناحق ظلم کرنے کو، اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل بھی نازل نہیں کی۔ اور اس بات کو کہ تم اللہ کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرو، جس کا تمہیں علم ہی نہ ہو۔“

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے یعنی اس کے اسماء و صفات، افعال، اور اس کی شریعت کے بارے میں لاعلمی پر مبنی بات کہنا، ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور بندوں کو ان میں مشغول ہونے سے روکا ہے، کیونکہ یہ امور مفاسد عامہ اور مفاسد خاصہ پر مشتمل ہیں اور یہ امور ظلم و تعدی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جناب میں جسارت و جرأت کے موجب، اللہ تعالیٰ کے بندوں پر دست درازی اور اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت میں تغیر و تحریف کا باعث ہیں۔“^①

ایک اور جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنِيَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٥﴾ (الانفال: ۲۷)

”اے ایمان والو! تم علم رکھنے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیانت مت کرو، اور نہ ہی تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔“

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر رحمہ اللہ اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس نے اوامر و نواہی کی جو

امانت ان کے سپرد کی ہے وہ اسے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو وہ ڈر گئے اور انھوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا، اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا، کیونکہ وہ نہایت ظالم اور نادان ہے۔ پس جو کوئی امانت ادا کرتا ہے، وہ بے پایاں ثواب کا مستحق بن جاتا ہے، اور جو کوئی یہ امانت ادا نہیں کرتا تو سخت عذاب اُس کے حصے میں آتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کی طرف لاعلمی میں کوئی بات منسوب کرنے کی سزا:

جو شخص لاعلمی میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتا ہے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ)) ❶

”مجھ پر جھوٹ مت بولو، پس جس نے مجھ پر جھوٹ بولا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔“



لا علمی اور گمراہی

جس طرح علم اور صراطِ مستقیم کا آپس میں گہرا تعلق ہے، ایسے ہی لا علمی اور گمراہی بھی لازم و ملزوم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَ هُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝﴾ (الروم: ۲۹)

”اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بغیر علم کے خواہش پرستی کر رہے ہیں، اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ گمراہ کر دے، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔“

ایک جگہ پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

(الروم: ۵۹)

”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر لگا دیتا ہے۔“

ایک حدیث شریف میں آتا ہے:

”قربِ قیامت علم اٹھ جائے گا، پھر لوگ ایسے لوگوں سے مسائل پوچھیں گے جو ان کو نہیں جانتے ہوں گے، اور وہ لوگ لا علمی کی حالت میں خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“ ❶



علم اور یقین

جب علم میں یقین کی کیفیت پیدا ہو جائے، تو یہ انسان کے مومن ہونے کی دلیل ہے،
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَلْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ)) ❶

”یقین پورا ایمان ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اگر یقینی علم انسان کے دل کو چھو لے، تو وہ دنیا کی حرص و ہوس میں نہیں
پڑتا، بلکہ زہد و تقویٰ اور عمل صالح والی زندگی کو اپناتا ہے، اور اس کی یہ دنیا طلبی بعث بعد الموت
اور آخرت پر عدم ایمان کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ ۚ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۚ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۚ لَتَرَوُنَّ
الْجَحِيمَ ۚ ثُمَّ لَتَرَوْهَا غَيْرَ الْيَقِينِ ۚ ﴾ (التكاثر: ۱-۷)

”لوگو! تمہیں کثرت کی چاہت نے اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہاں تک
کہ تم قبرستانوں میں پہنچ گئے۔ ہرگز نہیں! تم عنقریب جان لو گے۔ پھر ہرگز نہیں،
تم عنقریب جان لو گے، ہرگز نہیں، اگر تم علم یقینی کے طور پر جان لیتے (تو تم
کثرت کی چاہت میں نہ پڑتے، ہماری عزت و جلال کی قسم!) تم جہنم کو یقیناً
دیکھو گے۔ پھر تم جہنم کو بالکل یقینی طور پر دیکھ لو گے۔“



اہل علم اور سرکشی

جہاں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی بہت ساری صفات کو بیان کیا ہے، وہاں ان کی ایک ایسی کمزوری کو نقل کیا ہے، جس کا انکار کرنا ناممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا ۚ بَيْنَهُمْ ط وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝﴾ (آل عمران: ۱۹)

”بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد اپنی سرکشی اور حسد کی بناء پر ہی آپس میں اختلاف کیا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا کفر کرے گا، اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کا حساب لینے والا ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول:

((عَنْ عَوْنٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ: مَنْهُوَ مَنْ لَا يَشْبَعَانِ: صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا، وَلَا يَسْتَوِيَانِ أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزِدَادُ رِضًا لِلرَّحْمَانِ، وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَزِدَادُ فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ: كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِيَطْغَىٰ أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىٰ قَالَ: وَقَالَ الْآخَرُ: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ .))

”عون سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو حریص ایسے ہیں جو سیراب نہیں ہوتے۔ (۱) صاحب علم۔ (۲) اور صاحب دنیا۔ لیکن یہ دونوں اپنی حرص میں برابر نہیں ہیں۔ صاحب علم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں

زیادہ ہوتا ہے، اور صاحب دنیا سرکشی میں زیادہ ہوتا ہے۔ پھر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: تحقیق آدمی سرکشی کرتا ہے، اس لیے کہ اپنے آپ کو بے پرواہ خیال کرتا ہے۔ عون کہتے ہیں کہ آپ نے دوسرے (اہل علم) کے بارے میں یہ آیت پڑھی:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾

”اللہ کے بندوں میں سے اس سے علماء (ہی) ڈرتے ہیں۔“



علم اور شکر

ذیل کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے ابتدائی مراحل، اور اس کے بعد کے مراحل کو ذکر کیا ہے، اور اس کے ساتھ ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو حصول علم کا ذریعہ ہیں، اور آخر میں فرمایا ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ”تا کہ تم شکر کرو۔“

گویا کہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے وجود بخشا، اور پھر وہی ذات ہے کہ جس نے تمہیں علم حاصل کرنے کی صلاحیت بخشی، اب حصول علم کے بعد تم پر میرا شکر لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾

(النحل: ۷۸)

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنایا تا کہ تم شکر گزاری کرو۔“



علم، اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی

ایک دل میں اللہ کی نافرمانی اور علم جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ علم تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جبکہ نافرمانی غضب الہی کا موجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝﴾ (الاحزاب: ۳۶)

”اور کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی معاملے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو شخص بھی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کے پاس علم بھی ہو، لیکن اللہ کی نافرمانی بھی کرتا ہو، تو یہ بات اس کی شایانِ شان نہیں ہے اور اسی وجہ سے ایک نہ ایک دن اس نعمت کے چھین جانے کا بھی خدشہ اور آخرت میں سب سے زیادہ عذاب کا بھی اندیشہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝﴾ (ابراہیم: ۷)

”اور تمہارے رب نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ اگر تم میرا شکر کرو گے، تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا، اور اگر میری ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى ۝﴾ (طہ: ۱۲۴)

”اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا، تو اس کی معیشت تنگ ہو جائے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔“

اس وقت انسان سوال کرے گا:

﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۝﴾ (طہ: ۱۲۵)

”وہ کہے گا: میرے رب! میں دنیا میں دیکھا کرتا تھا تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا ہے۔“

تو اللہ کی طرف سے جواب ہوگا:

﴿قَالَ كَذَلِكِ أَتَيْنَا فَنَسِيَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ۝ وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ۝﴾ (طہ: ۱۲۶-۱۲۷)

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرے سامنے بھی اسی طرح ہی ہماری آیات آتی تھیں، لیکن تو انہیں بھلا دیا کرتا تھا، لہذا آج تجھے بھی بھلا دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح ہم اس شخص کو سزا دیں گے جو (نا فرمانی میں) حد سے بڑھ گیا، اور وہ اپنے رب کی آیات پر ایمان بھی نہ لایا۔ اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔“



علم اور یومِ آخرت

روزِ قیامت جہاں اور تمام اعمال کے متعلق سوال ہوگا، وہاں علم کے بارے میں بھی سوال ہوگا، چنانچہ سیدنا ابوالاسمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَا تَزُولُ قَدَمًا عَبْدًا عَبْدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمْرِهِ فِيْمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيْمَا فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيْمَا أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جَسْمِهِ فِيْمَا أَبْلَاهُ.)) ❶

”قیامت کے دن کسی بندے کے قدم (پانچ چیزوں کے بارے میں) سوال کیے بغیر نہیں اٹھ سکیں گے یعنی بارگاہِ الہی سے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۱) اس کی عمر کے بارے میں کہ اس نے اسے کن کاموں میں ختم کیا؟

(۲) اس کے علم کے متعلق کہ اس نے علم کو کیسے استعمال کیا۔ (لڑائی جھگڑوں کے لیے، شہرت کے لیے یا اللہ کی رضا کے لیے)

(۳) اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اس کو کہاں سے کمایا۔

(۴) اور کہاں خرچ کیا۔

(۵) اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اس نے کن چیزوں میں اسے بوسیدہ کیا۔“

شہنشاہِ دو جہاں، اللہ رب العزت روزِ قیامت جب مخلوقات کا حساب لینے کے لیے فارغ ہوگا، تو ساری مخلوقات اس کے سامنے اس کے جلال و عظمت اور کبریائی سے ایسی

مرعوب ہوگی کہ کسی کو اس کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوگی، موت کے بعد صرف وہی لوگ دوسروں کی سفارش کی خاطر اللہ عزوجل سے بات کریں گے، جنہیں وہ جبار اور قہار بات کرنے کا اذن بخشے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ
الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝﴾ (النبا: ۳۸)

”اس (قیامت کے) دن روح الامین (جبرائیل علیہ السلام) اور دیگر فرشتے (بھی) صفوں میں کھڑے ہوں گے، رحمان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی کلام نہیں کر سکے گا، اور (جس کو وہ اجازت دے گا) وہ صاف صاف بات کرے گا۔“



علم اور دعوتِ الی اللہ

قارئین کرام! ہم گزشتہ صفحات میں مختلف ابواب میں علم سے مطابقت کے بارے میں جان چکے ہیں، لیکن اس باب میں ہم اس سے متعلقہ ایک ایسی چیز کے بارے میں پڑھیں گے جس کی اہمیت گزشتہ تمام متعلقات سے بڑھ کر ہے، بلکہ گزشتہ ابواب میں ذکر کی جانے والی تمام چیزیں اس کے تابع نظر آتی ہیں۔

جیسا کہ اس باب کے نام سے ظاہر ہے۔ اس باب میں ہم علم اور اس کی تبلیغ کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں جاننے کی کوشش کریں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي ۖ أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ ۖ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَنَ اللَّهُ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾ (یوسف: ۱۰۸)

”اے نبی ﷺ! آپ اعلان کر دیجیے، میری یہی راہ ہے، میں اور میرے فرمانبردار پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف بلا تے ہیں۔ اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۖ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝﴾

(حکم السجدة: ۳۴، ۳۳)

”اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے، جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام

کرے، اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہو جائے گا کہ وہ دوست ہے نہایت گہرا۔“

لوگوں کو قرآن و سنت کے فہم اور صحابہ کرام کے منہج پر دعوت دین دینے میں اللہ کی رضا ہے، اور اسی کی دعوت سلف صالحین نے دی۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

﴿ هَذَا بَلَّغُ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوْا بِهٖ وَيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِيُنذِرَ اُولُو الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (ابراہیم: ۵۲)

”یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے اطلاع نامہ ہے کہ اسی کے ذریعے سے وہ ہوشیار کر دیے جائیں، اور بخوبی معلوم کر لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقل مند لوگ سوچ سمجھ لیں۔“

مندرجہ بالا آیات میں دعوت الی اللہ کی اہمیت کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور سوالیہ انداز اپنا کر اس کی اہمیت کو اور اجاگر کر دیا گیا ہے۔

اور مشہور قاعدہ ہے کہ کلام میں استفہامی، سوالیہ انداز کسی بھی شے کی رفعت شان کے لیے آتا ہے۔

دعوت الی اللہ کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرنا:

قارئین کرام! گزشتہ آیات کریمہ میں جہاں دعوت الی اللہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، وہاں اس راستے پر چلنے والے کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يُلْقٰہَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلْقٰہَا اِلَّا ذُوْ حِظٍّ عَظِیْمٍ ۝ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ ﴾

(حکم السجدہ: ۳۵-۳۶)

”اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں، اور اسے سوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پاسکتا۔ اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ طلب کرو، یقیناً وہ بہت ہی سننے والا ہے۔“

ان آیات کریمہ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر، مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کرتے ہیں:

((أَمَرَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ بِالصَّبْرِ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْجَلْمِ عِنْدَ الْجَهْلِ وَالْعَفْوِ عِنْدَ الْأَسَاءَةِ وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوَّهُمْ كَأَنَّهُ وَلِيُّ حَمِيمٍ))^۱
 ”یعنی اللہ تعالیٰ مؤمنین کو غصے کے وقت صبر، لاعلمی میں بردباری اور بدسلوکی کیے جانے پر معافی کا حکم دیتا ہے۔ اور (ان اوصاف کے نتیجے میں) ان کے دشمن کو ان کے سامنے ایسے جھکا دے گا جیسے کہ دلی دوست۔“

ظاہر بات ہے کہ اس راستے پر چلنے والے کو مختلف راہوں سے گذرنا پڑتا ہے، جیسا کہ رحمۃ العالمین ﷺ کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اور وہی محمد مصطفیٰ ﷺ جو سب سے پہلی وحی آنے کے بعد گھبرا کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھے۔ تو رب العالمین نے آپ ﷺ کو اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے واضح الفاظ میں یوں مخاطب کیا تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنْذِرْ ۚ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۖ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۖ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۖ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۖ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۖ﴾

(المدثر: ۱-۷)

”اے چادر اوڑھنے والے! کھڑے ہو جا، پس (لوگوں کو) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھ، اور ناپاکی سے دور رہ، اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر، اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر۔“

داعی الی اللہ کے اوصاف:

قارئین کرام! ان مذکورہ بالا آیات کریمہ پر غور کیا جائے، تو داعی دین کے کچھ اوصاف معلوم ہوتے ہیں جو ذیل کی سطور میں قدرے تفصیل کے ساتھ سپردِ قسط کیے دیتے ہیں۔

(۱) دعوتِ دین کے لیے کربستہ ہو جانا:

دعوتِ دین کے لیے کسی بھی قسم کے سمجھوتے اور دباؤ کو نہ صرف نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ اس کا ہر ممکن منہ توڑ جواب دیا جائے۔ جیسا کہ (سورہ مدثر) کی پہلی تین آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾

”اے چادر اوڑھنے والے! آپ کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو (ان کے رب

سے) ڈرائیں، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔“

لوگوں کو ڈرائیں، کس چیز سے ڈرائیں؟ کس انداز سے ڈرائیں؟ کیا ان سے اس معاملے میں کوئی سمجھوتہ (یا ڈیلنگ) بھی ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنی باتیں منوانے کے لیے ان کے بعض نظریات کو بھی تسلیم کر لیا جائے؟ نہیں! نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ رب کائنات تو پہلے دن سے آپ کی تربیت یوں کرتے ہیں:

﴿قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾

”کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں اور اپنے رب کی تکبیرات کی صدائیں بلند کریں۔“

یعنی ان کو بتوں کی پوجا پاٹ کے نتیجے میں ملنے والے عذابِ الہی سے ڈرائیں، ان کو لات و عزلی کی عبادت کے نتیجے میں رحمان کی دوری سے ڈرائیں، اور اس انداز سے ڈرائیں کہ اتنا کچھ کہنے اور سمجھانے کے باوجود لات و عزلی کی عبادت کو ترک نہ کرنے والوں کے دلوں میں بھی رب کی کبریائی کی دھاک بیٹھ جائے، اور کفر کے ایوانوں میں بھی (اللہ اکبر) کی صدائیں گونج اٹھیں، تاکہ اگر وہ توحید باری تعالیٰ کو تسلیم نہ بھی کریں تو کم از کم ان کے دلوں

میں اہل توحید کا رعب و دبدبہ ضرور بیٹھ جائے۔

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾

”اور اپنے رب کی تکبیریں بلند کریں۔“

یعنی آپ کی تکبیر کی صداؤں میں اس قدر جذبہ ایمانی پیدا ہونا چاہیے کہ ان کے کانوں میں اللہ اکبر کی آواز پہنچے ہی ان کے کفر سے لبریز دماغوں اور دلوں پر لرزہ طاری ہو جائے۔

﴿وَنَبَأَكَ فَطَهِّرْ ۝﴾

”اپنے کپڑوں کو پاک و صاف رکھیں۔“

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝﴾

”اور ناپاکی سے دور ہو جائیے۔“

ان دونوں مذکورہ بالا آیات کریمہ میں واضح طور پر جبکہ آپ ﷺ دعوت الی اللہ کے ابھی ابتدائی مراحل میں قدم رکھنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک داعی کے اندر پائے جانے والے انتہائی اہم اوصاف کو بیان فرمایا ہے۔

(۱) لباس کی صفائی (۲) ناپاکی سے اجتناب

نوٹ:..... اکثر مفسرین نے ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ سے بتوں کی پوجا سے اجتناب مراد لیا ہے۔^① اور بعض نے اس سے رب العالمین کی معصیت اور نافرمانی سے اجتناب بھی مراد لیا ہے۔^②

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ان دونوں معانی کو بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

((وَعَلَى كُلِّ تَقْدِيرٍ فَلَا يَلْزَمُ تَلَبُّسُهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ كَقَوْلِهِ

① تفسیر ابن کثیر، ج: ۴/ ۴۴۱، نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام از نواب صدیق حسن خان قنوجی، ص: ۳۴۶، طبع نعمانی کتب خانہ، لاہور۔

② تفسیر ابن کثیر، ج: ۴، ص: ۴۴۱۔

تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ط﴾
[الأحزاب: ۱۰۰]

”یعنی ان دونوں میں سے کسی بھی معنی کو مراد لیا جائے، تو اس سے کوئی التباس واقع نہیں ہوتا (کیونکہ بتوں کی پوجا بھی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی ہے۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے: اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈریئے، اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کیجیے۔“

مندرجہ بالا توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ دین کے لیے کھڑا کرنے سے پہلے جو آپ کی تربیت فرمائی، وہ دو چیزوں پر مشتمل تھی۔
(۱) ظاہری صفائی۔ (۲) باطنی صفائی۔

(۱) ظاہری صفائی: ﴿وَيَسَابِلَكَ فَطَهَّرُ﴾ سے مراد ہر قسم کی ظاہری صفائی مراد ہے۔ اس کا تعلق لباس سے ہو یا جسم سے۔^①

(۲) باطنی صفائی: سے مراد باطنی طور پر عقائد و اعمال کی صفائی مراد ہے۔ جس کی وضاحت پیچھے گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

مبلغین، واعظین کے لیے لمحہ فکر یہ!

اس موقع پر ہم یہ وضاحت کر دینا انتہائی ضروری سمجھتے ہیں کہ مبلغین اور واعظین حضرات جو منبر و محراب کے وارث ہیں ان کو اس عظیم منصب پر فائز ہونے سے پہلے مندرجہ بالا دونوں اوصاف کا حامل ہونا چاہیے، کیونکہ اگر وہ خود ان صفات کے حامل ہوں گے تو لوگوں کی تربیت بھی درست انداز سے کر سکیں گے، اور اس صورت میں کم از کم ظاہری یا باطنی اعتبار سے ان کی ذات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکے گا، جس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ان

① نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام (۳۴۶) طبع مکتبہ نعمانیہ، تفسیر ابن کثیر، ج: ۴/ ۴۴۱، ملخصاً۔

کی شخصیات باکردار بن جائیں گی، جس کا اثر ماحول کی ظلمتوں کے اندر روشنی کی امید بن کر آئے گا۔ اس طرح سے ناممکن بھی اللہ کی توفیق سے ممکن بنتا چلا جائے گا، اور اللہ رب العزت مخالفین کے دلوں کے اندر ان کی محبت کو ڈال دیں گے۔

اس کے برعکس اگر ایک داعی اور مبلغ کے قول و فعل میں تضاد ہوگا، تو اس سے بیگانے تو دور کی بات، اپنے بھی متنفر ہو جائیں گے۔ اگر قوم کو صحیح اسلامی عقیدے کا سبق دینے والے کا اپنا ہی عقیدہ درست نہیں ہوگا، تو وہ دوسروں کے غلط عقائد کی اصلاح کس طرح کر سکے گا؟

یہ تو تھیں چند گزارشات مبلغین و واعظین کی تربیت کے اعتبار سے۔ اب ہم عالم اور داعی الی اللہ کے چند ایک فضائل قرآن و سنت کی روشنی میں ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اُس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو صرف معبود برحق کی طرف بلاتا ہے، اور توحید خالص اور قرآن و سنت کی دعوت دیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي

مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝﴾ (لَحْمُ السَّجْدَةِ: ۳۳)

”اور اس آدمی سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے، جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور

نیک عمل کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بے شک میں مسلمان ہوں۔“

(۲) جو شخص داعی الی اللہ ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کا مستحق ٹھہرتا ہے:

((نَضْرَ اللَّهُ أَمْرًا أَسْمَعَ مِنَّا حَدِيثًا فَبَلَّغَهُ، فَرُبَّ مُبَلِّغٍ أَحْفَظُ

مِن سَامِعٍ)) ۝

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی پھر اس کو دوسروں

① سنن ابن ماجہ، باب اتباع سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۲۳۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

تک پہنچایا۔ بہت سے لوگ جنہیں حدیث پہنچتی ہے وہ براہ راست سننے والوں سے بھی زیادہ یاد رکھتے ہیں۔“

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کے لیے اتنا ہی ثواب ہے، جتنا کہ اس پر عمل کرنے والوں کا ہے۔ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی واقع نہیں ہوتی، اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا اس (برائی) پر عمل کرنے والوں کو ہوتا ہے۔ اور ان میں سے کسی کے گناہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔“ ❶



❶ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن فی الاسلام سنة حسنة أو سيئة، ومن دعا إلى هدى أو ضلالة، رقم: ۶۸۰۴۔

علم اور دین کی سمجھ بوجھ

علم حاصل کرنا اور اس کے بعد دین کی سمجھ حاصل کرنا بہت ہی عظیم عمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً ۖ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ٥﴾ (التوبة: ۱۲۲)

”مسلمانوں کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں۔ ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے، تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور تاکہ یہ لوگ جب اپنی قوم کے پاس آئیں تو انھیں ڈرائیں، تاکہ وہ برے کاموں سے ڈر جائیں۔“

دین کی سمجھ اور فہم و فراست اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ٥﴾ (البقرة: ۲۶۹)

”(اللہ تعالیٰ) جسے چاہتا ہے حکمت و دانائی عطا فرما دیتا ہے، اور جسے حکمت عطا کر دی گئی اسے بہت زیادہ بھلائی مل گئی۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتے، مگر عقل والے۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((لَيْسَتْ بِالنَّبُوَّةِ، وَلَكِنَّهُ الْعِلْمُ، وَالْفِقْهُ، وَالْقُرْآنُ.))^①
 ”یعنی (اس مقام پر) حکمت نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ تحصیل علم، تفقہ فی الدین اور تعلم قرآن کے ساتھ عام ہے۔“
 مزید لکھتے ہیں:

((قَالَ مَالِكٌ: وَانَّهُ لَيَقَعُ فِي قَلْبِي إِنَّ الْحِكْمَةَ هُوَ الْفِقْهُ فِي دِينِ اللَّهِ، وَأَمْرٌ يَدْخُلُهُ اللَّهُ فِي الْقُلُوبِ مِنْ رَحْمَتِهِ، وَنَفْسِهِ، وَمِمَّا يَبِينُ ذَلِكَ إِنَّكَ تَجِدُ الرَّجُلَ عَاقِلًا فِي أَمْرِ الدُّنْيَا إِذَا نَظَرَ فِيهَا وَتَجِدُ آخَرَ ضَعِيفًا فِي أَمْرِ دُنْيَاهُ، عَالِمًا بِأَمْرِ دِينِهِ، بِصِيرٍ بِهِ، يُؤَيِّدُهُ اللَّهُ آيَاهُ وَيَخْرِمُهُ هَذَا، فَالْحِكْمَةُ الْفِقْهُ فِي دِينِ اللَّهِ))^②

”امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات یقینی طور پر میرے دل میں جاگزیں ہو چکی ہے کہ حکمت سے مراد اللہ کے دین کی سمجھ اور ایسا معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے دلوں میں الہام فرمادیتے ہیں، اور اس کی مثال کہ جس سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے یہ ہے کہ آدمی کبھی دنیاوی معاملات میں جب دلچسپی لینے والا ہو تو بڑا عقل مند ثابت ہوتا ہے، لیکن (اس کے مقابلے) میں ایک دوسرا آدمی دنیاوی معاملات میں تو کمزور ہے، لیکن دینی معاملات میں انتہائی علم و بصیرت رکھنے والا ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اسی کو عطا کی ہے۔ جبکہ اوّل الذکر اس سے محروم ہے، پس حکمت سے مراد اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرنا ہے۔“

اسی طرح نبی مکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

((مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ

يُعْطِي وَلَنْ تَزَالَ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ.)) ❶

”اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے، اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے گا)۔“

علم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جہاں اوامر و نواہی کا تذکرہ کیا ہے، وہاں سابقہ انبیاء علیہم السلام و امم کے واقعات بھی تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ ان ہی انبیاء علیہم السلام میں سے ایک واقعہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ”سورۃ الکہف“ میں قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہی واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ”صحیح الجامع“ کے اندر مکمل تفصیل سے بیان کیا ہے۔ واقعہ کے الفاظ صحیح بخاری میں یوں مرقوم ہیں:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسٍ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هُوَ خَضِرٌ، فَمَرَّ بِهِمَا أَبِي بَنْ كَعْبٍ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقَيْيهِ: هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَأٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمُ مِنْكَ؟

قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى مُوسَى: بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ،
 فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ،
 إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، وَكَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ
 الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ لِمُوسَى قَتَاهُ ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوْفَيْنَا إِلَى
 الصَّخُورَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ نَوْمًا أَنَسَيْنَاهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾
 ﴿قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَفَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ فَوَجَدَا

خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِي قَصَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ)) ﴿٥﴾
 ”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی حرم قیس بن حصن فزاری
 کے ساتھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں بحث ہوئی۔ سیدنا ابن
 عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ خضر تھے (اسی اثناء میں) ان کے پاس سیدنا ابی بن
 کعب رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما انھیں بلا کر کہنے لگے کہ میں اور میرے یہ
 رفیق سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی کے متعلق بحث کر رہے ہیں کہ جس سے
 انھوں نے ملاقات کا ارادہ کیا تھا۔ کیا آپ نے نبی اکرم ﷺ سے ان کے
 بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے
 ہوئے سنا: ایک دن سیدنا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں بیٹھے
 ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی آیا کہ آپ (دنیا میں) کسی ایسے آدمی کو
 جانتے ہیں جو آپ سے بڑھ کر عالم ہو؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! اس پر

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ ہاں! ہمارا بندہ خضر ہے جس کا علم تم سے زیادہ ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دریافت کیا کہ سیدنا خضر علیہ السلام سے ملنے کی کیا صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان سے ملنے کی علامت قرار دیا اور ان سے کہا کہ جہاں یہ مچھلی تم سے گم ہو جائے تو (ادھر کو) لوٹ جاؤ، تب سیدنا خضر علیہ السلام سے تمہاری ملاقات ہوگی، چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام (چلے اور) دریا میں مچھلی کی علامت تلاش کرتے رہے، تو اس وقت ان کے ساتھی نے کہا، کہ کیا آپ نے دیکھا تھا جب ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا، دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اسی مقام کی ہمیں تلاش تھی تب وہ اپنے نشانات قدم پر (پچھلے پاؤں) باتیں کرتے ہوئے لوٹے (وہاں) انھوں نے سیدنا خضر علیہ السلام کو پایا پھر ان کا وہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔“

اس روایت میں واقعہ کو بالکل اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم اور دیگر احادیث نبویہ میں یہ واقعہ بالتفصیل بھی موجود ہے۔ جن کا تذکرہ یہاں پر مقصود نہیں۔ بہر حال اس روایت سے ہمیں مندرجہ ذیل باتیں بطور نصیحت معلوم ہوتی ہیں:

(۱) انسان کو کبھی بھی اپنے آپ کو بڑا عالم نہیں سمجھنا چاہیے، اگرچہ اس کا مرتبہ کس قدر عالی ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ہر سال میں عاجزی و انکساری کا اظہار کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اگر دنیا میں اس سے بڑا عالم نہیں ہے تو اللہ رب العزت جو دنیا کے تمام معاملات کو چلا رہے ہیں وہ سب سے بڑے عالم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝﴾ (یوسف: ۷۶)

”اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والی ذات (اللہ تعالیٰ) ہے۔“

(۲) اگر انسان سے یہ غلطی سرزد ہو جائے، تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(۳) علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا خواہ راستہ کتنا ہی کٹھن اور دشوار گزار ہو۔ واللہ اعلم



علم کے اٹھ جانے پر فتنوں کا ظاہر ہونا

جب تک علم رہتا ہے فتنے ظاہر نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ قرب قیامت جب علم اٹھ جائے گا، تو فتنے ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ چنانچہ امام سالم رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ:

((سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُقْبَضُ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ، وَالْفِتْنُ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْهَرْجُ؟ فَقَالَ هَكَذَا بِيَدِهِ، فَحَرَفَهَا كَأَنَّهُ يُرِيدُ الْقَتْلَ.)) ❶

”میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے سنا: آپ نے فرمایا کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب) علم اٹھالیا جائے گا، جہالت اور فتنے عام ہو جائیں گے، اور ”ہرج“ بڑھ جائے گا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ”ہرج“ سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ فرمایا: گویا کہ آپ نے اس سے قتل مراد لیا۔“

اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول قارئین کے استفادہ کے لیے تحریر کر دیتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا، فَلَيْسَتْ بِيَمَنِ قَدَمَاتٌ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ، أَبْرَهَا قُلُوبًا، وَأَعَمَّقَهَا عِلْمًا، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِصُخْبَةِ نَبِيِّهِ، وَلَا قَامَةَ دِينِهِ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ، وَاتَّبِعُوهُمْ

عَلَىٰ آلِهِمْ، وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيرِهِمْ
فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَىٰ الْهُدَىٰ الْمُسْتَقِيمِ.)) ❶

”جو شخص (نبی اکرم ﷺ کے علاوہ) کسی اور کا طریقہ کار اختیار کرنا چاہتا ہے، اسے ان لوگوں کا راستہ اختیار کرنا چاہیے جو وفات پا چکے ہیں، کیونکہ زندہ لوگوں پر فتنوں سے امان نہیں ہے (ان فوت شدگان سے مراد) نبی اکرم ﷺ کے صحابہ تھے جو اس امت کے افضل ترین، سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ مضبوط علم والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے، جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے، اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چنا تھا، پس تم ان کی فضیلت کو خوب پہچان لو، ان کے آثار (طریقے) کی اتباع کرو اور بقدر استطاعت ان کے اخلاق و سیرت کو اپنالو، کیونکہ وہ لوگ راہ ہدایت اور صراطِ مستقیم پر تھے۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول اور گزشتہ روایت دونوں کو ملا کر اگر غور کیا جائے، تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اہل علم کی موجودگی میں فتنوں کا خدشہ کم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس علماء کرام کی عدم موجودگی میں گمراہی کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں فتنے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

((إِنْ أَلَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَرِعُهُ مِنَ النَّاسِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّىٰ إِذَا لَمْ يَبْرُكْ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُئُوسًا جُهَالًا، فَسَبَلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)) ❷

❶ مشکوٰۃ المصابیح: ۵۴/۱۔ طبع، شرکت دار الأرقم بن أبی الأرقم، بیروت۔

❷ صحیح مسلم، کتاب العلم، رقم: ۶۷۹۶۔

”اللہ رب العزت علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ اسے لوگوں (کے سینوں) سے اچک لیں، بلکہ علم کو اس طرح اٹھائیں گے کہ علماء کرام کو فوت کر دیں گے، حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہل لوگوں کو بڑا سمجھیں گے، تو جب ان سے لوگ (کسی دینی معاملے میں) سوال کریں گے، تو وہ لوگ لاعلمی کی حالت میں فتویٰ دیں گے، جس کے نتیجے میں وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

اس روایت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فتنوں کا ظہور علم کی عدم موجودگی میں ہوگا، جس کے نتیجے میں لوگ دینی مسائل پوچھنے کے لیے ایسے لوگوں کی طرف رجوع کریں گے، جن کو ان مسائل کے بارے میں علم ہی نہیں ہوگا۔ تو وہ لوگ لاعلمی کی وجہ ان مسائل کے صحیح جواب دینے کی بجائے اپنی رائے کی روشنی میں جواب دیں گے جو کہ گمراہی کا باعث ہے، جس کے نتیجے میں فتنوں کا ظہور لازم آتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے رسول اکرم ﷺ کا ایک اور فرمانِ عالی شان آپ کی نظر کر رہے ہیں۔

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: تَرَكَتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُم بِهُمَا: كِتَابَ اللَّهِ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ.)) ❶

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے، گمراہ نہیں ہو گے (وہ چیزیں) اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور اس کے نبی کی سنت (حدیث رسول اللہ ﷺ) ہے۔“

اس روایت سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ مسلمان جب تک کتاب و سنت کو اپنا عملی

جامہ بنائے رکھیں گے، اس وقت تک گمراہ نہیں ہوں گے، لیکن جو نہی کتاب و سنت کو چھوڑ کر کسی تیسری چیز کی تلاش میں نکلیں گے، تو گمراہی ان کا مقدر بن جائے گی، جو کہ ابتلاء و فتن کی باعث ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بِكَ بَاطِلًا وَاَرْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ



علم اور تدوینِ علم

ہماری اس کتاب میں علم سے مراد ”قرآن و حدیث“ کا علم ہے۔ چونکہ منکرین حدیث کی طرف سے انکارِ حدیث کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ حدیث کی تدوین کا رواج عہدِ صحابہ میں نہ تھا، جس کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگوں نے ان میں اپنی آراء کو شامل کر دیا تھا، لہذا ہم ہر اس روایت کا انکار کرتے ہیں جو مفہوم قرآنی کے خلاف ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس اعتراض کے ابطال میں چند ایک دلائل کو ہدیہ قارئین کیا جائے، تاکہ لوگ ان کے باطل نظریات اور سطحی افکار سے بچ سکیں۔

(۱) جلیل القدر صحابی رسول سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا

كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ .)) •

”رسول اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجھ

سے زیادہ کوئی بھی حدیث بیان کرنے والا نہیں تھا۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ

(حدیث) لکھ لیا کرتے تھے، جبکہ میں لکھا نہیں کرتا تھا۔“

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

منکرین حدیث کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اس روایت سے تو صرف سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حدیث لکھنے کی وضاحت ہوتی ہے، جبکہ روایت تو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بیان کرتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے: ان کا نام انھوں نے کثرتِ روایت کی بناء پر لیا ہے۔ جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث لکھنے کے شواہد موجود ہیں۔

(۲) امام شعبی رحمہ اللہ ابو حنیفہ سے بیان فرماتے ہیں:

((قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيِّ: هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ، أَوْ فَهَمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ، أَوْ مَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ، قَالَ: قُلْتُ: فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ، وَفَكَأُكَ الْأَسِيرِ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ.)) •

”میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں، مگر اللہ کی کتاب، قرآن ہے، یا پھر وہ فہم ہے جو ایک مسلمان کو عطا کیا ہوتا ہے۔ یا پھر جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ (اس صحیفے میں) دیت (مقتول کے ورثاء کو قاتل کی طرف سے خون بہا ادا کرنا) اور قیدیوں کی رہائی کا بیان ہے۔ اور یہ حکم کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔“

اس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ عہدِ صحابہ میں حدیث لکھنے کا رواج موجود تو تھا، البتہ تدوین کا سلسلہ نہیں تھا۔ اس سلسلے میں بین ثبوت یہ بھی ہے: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد ہام بن منبہ رحمہ اللہ کو احادیث لکھوائیں تھیں، جو اللہ کے فضل سے (صحیفہ ہام بن منبہ رحمہ اللہ کے نام سے) آج بھی مطبوعہ صورت میں موجود ہے۔ جس کا اردو ترجمہ اور شرح ”انصار السنۃ پہلی کیشنز“ کی طرف سے مارکیٹ میں آنے والا ہے۔ (وللہ المنة وله الشاء الحسن)

(۳) خلیفہ وقت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ابو بکر بن حزم کے نام خط! صحیح بخاری کتاب العلم میں امام بخاری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ: أَنْظِرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَكْتُبْهُ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ، وَلَا تَقْبَلْ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ ﷺ وَلْيُفَسِّحُوا الْعِلْمَ، وَلْيَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلِّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ، حَتَّى يَكُونَ سِرًّا.)) ❶

”خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ابو بکر بن حزم کو خط لکھا کہ تمہارے پاس رسول اکرم ﷺ کی جتنی بھی حدیثیں ہوں، ان پر نظر (غور و فکر کرو) اور انہیں لکھ لو کیونکہ مجھے علم دین اور علماء دین کے مٹنے کا اندیشہ ہے۔ اور رسول معظم ﷺ کے علاوہ کسی کی حدیث قبول نہ کرو، اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور (ایک جگہ جمع کریں) بیٹھیں، تاکہ جاہل بھی (علم کے بارے میں) جان لے، اور علم چھپانے ہی سے ضائع ہوتا ہے۔“



علم اور جنت کا راستہ

طالب علم کے فضائل کے بارے میں قرآن و سنت میں بہت ساری نصوص وارد ہوئی ہیں، جن سے طلب علم کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض احادیث میں طالب علم کو (نیت خالص ہونے کی بناء پر) جنت کی بشارت بھی دی گئی ہے۔ یہاں پر ایسی ہی نصوص کو ذکر کرنا مقصود ہے۔

[۱] ((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيقَ الْجَنَّةِ، وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيمَتَهُ اثْبَتَهُ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ، وَفَضَّلْتُ فِي عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلِي فِي عِبَادَةٍ وَمَلَكَ الدِّينِ الْوَزْعُ.)) •

”اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے میں چلا، تو میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دوں گا، اور جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں اس کو ان کے بدلے میں جنت عطا کروں گا۔ اور علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے، اور دین کی جڑ پر ہیز گاری ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول رب العالمین، محمد رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا:

[۲] ((مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ ، وَيَتَذَكَّرُونَ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ ، وَعَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ ، وَمَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ .)) ❶

”جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں کو دور کرے گا، اور جس نے تنگدست پر آسانی کی، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمادے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ اور جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے میں چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے۔ اور جو لوگ بھی جمع ہو کر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتے اور معافی بیان کرتے ہیں، ان پر (اللہ کی طرف سے) سکینت نازل ہوتی ہے، اور رحمت ان پر ڈھلکتی ہے، اور

❶ صحیح مسلم، کتاب الدعوات، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، رقم الحديث:

فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کا ذکر ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں، اور جس کا عمل تاخیر کرے اس کا نسب جلدی نہیں کرے گا۔ (یعنی اعمال میں سستی کرنے والے کو نسب کی وجہ سے نجات نہیں مل سکے گی۔)



علم بہترین صدقہ جاریہ ہے

جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اعمال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، لیکن فرامین نبوی ﷺ میں بعض ایسے اعمال کا تذکرہ ملتا ہے، جن کے اجر و ثواب کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم، سیدنا الانبیاء والمرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ ، إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ .)) •

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے، تو تین قسم کے اعمال کے علاوہ باقی تمام اعمال (کے ثواب) کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

(۱) صدقہ جاریہ۔

(۲) (ورش) علم، جس سے بعد میں فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔

(۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔“

ایک اور روایت میں اسی روایت کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ سیدنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : إِنْ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ ، عِلْمًا عَلِمَهُ وَنَشَرَهُ ، وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهَ ، أَوْ مَصْحَفًا وَرَثَتَهُ ، أَوْ مَسْجِدًا أَبْنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ

بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ
وَحَيَاتِهِ تَلَحُّقَهُ مِنْ أَمْعَدِ مَوْتِهِ.)) ❶

”رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ اعمال اور نیکیاں جن کا اجر و ثواب مومن آدمی کو اس کی وفات کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، یہ ہیں:

علم، جو اس نے سیکھا اور اس کی نشر و اشاعت میں مصروف رہا، نیک اولاد جسے وہ چھوڑ کر گیا، (دینی) مصحف (کتاب) جو وراثت میں چھوڑ کر گیا، اس کی تعمیر کی ہوئی مسجد، اس کا تعمیر شدہ مسافر خانہ، ایسی نہر جو اس نے کھدوائی ہو اور وہ صدقہ جو اس نے اپنی زندگی میں حالت صحت میں (مرض الموت سے پہلے) اپنے (کمائے ہوئے حلال) مال سے نکالا ہو اس کا ثواب بھی وفات کے بعد ملتا رہے گا۔“

نوٹ:..... اس حدیث میں ”او مصحفاً ورثہ“..... یا اس کا وراثت میں چھوڑا ہوا حصہ“ سے آخر حدیث تک تمام صورتیں گزشتہ حدیث میں مذکور الفاظ: ”وَمِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ“ کی وضاحت کرتے ہیں۔

رب العالمین کا کس قدر عظیم احسان ہے کہ انسان تو اپنی قبر میں جا چکا ہے، لیکن اس کے اعمال نامے میں اجر و ثواب مسلسل لکھا جا رہا ہے، اور مزید احسان یہ کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِ هِمَّ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ.)) ❷

❶ سنن ابن ماجہ، باب ثواب معلم الناس، رقم: ۱۴۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”حسن“ کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، رقم: ۲۳۵۱۔

”جو اسلام میں کسی اچھے کام کی بنیاد رکھے گا تو اس کو اس کا اجر اور اس کے بعد عمل کرنے والے کا ثواب بھی ملے گا، اور ان (عمل کرنے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح جو کسی برے کام کی بنیاد رکھے گا۔ اس کو اس کا گناہ اور اس پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ ملتا رہے گا۔ اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔“

اسی طرح ایک اور روایت میں اس کی وضاحت یوں ملتی ہے:

((مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ)) •

”جو بھلائی کی طرف کسی کی رہنمائی کرے گا، اس کو بھی اس (بھلائی کرنے والے) کے برابر ثواب ملے گا۔“

خلاصہ تحریر یہ ہے کہ:

(۱) انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کے اجر و ثواب کا سلسلہ تین چیزوں کے علاوہ منقطع ہو جاتا ہے۔

(۲) اس کی وقف شدہ چیز کو استعمال کرنے والے کے برابر اس کو بھی اجر و ثواب ملتا رہتا ہے۔

(۳) اس چیز کو استعمال کرنے والے کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ بلکہ اللہ رب العزت اس کو یہ اجر و ثواب اپنے خاص فضل و رحمت سے عطا کرتے ہیں۔

ان تین چیزوں میں سے ایک علم ہے، جس کو انسان دیکھے پھر اسے پھیلانے تو جب تک اس کے پھیلانے ہوئے علم سے لوگ مستفید ہوتے رہیں گے، اس کو بھی اس کا برابر ثواب ملتا رہے گا، حالانکہ وہ آدمی خود تو قبر میں پڑا ہے، لیکن اس کے شاگرد، شاگردوں کے شاگرد اس وراثت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اس کی تبلیغ میں مصروف ہیں یا اس پر عمل کر رہے ہیں، ان سب کا اجر اس کو برابر ملتا رہے گا۔

غور کیجیے! کس قدر عظیم عمل ہے کہ آدمی عمل تو ایک ہی کرے، لیکن اس کو اجر سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، بلکہ کروڑوں کا مل رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بے شمار ہیں، ان میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کے لوگ قیامت تک جو بھی نیک اعمال کرتے رہیں گے ان سب عمل کرنے والوں کے برابر ثواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ملتا رہے گا، جنہوں نے اس علم کی امانت کو نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا اور پھر اس کو آگے امت کے لوگوں تک پہنچا دیا۔ اشاعت علم دین انتہائی نفع مند سودا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے تو اجر کا حساب ہی نہیں، جنہوں نے دینی مدارس قائم کیے، یا کم از کم ان مدارس میں اپنی جان لگائی، مال خرچ کیا، جن کی نیکیاں انہیں قبر میں قیامت تک برابر ملتی رہیں گی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔



علم اور تزکیہ نفس

علم حاصل کرنے کے بعد اس کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنا نہایت ضروری ہے۔ اگر علم حاصل کر کے اس پر عمل نہ کیا جائے، تو اس علم کا حقیقت میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ ایسا علم انسان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۝ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ۝ وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ۝﴾ (طہ: ۱۲۴-۱۲۷)

”اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا، وہ دنیا میں تنگ حال رہے گا، اور قیامت کے دن اُسے ہم اندھا اٹھائیں گے، وہ کہے گا، اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے، دنیا میں تو میں خوب دیکھنے والا تھا؟ اللہ کہے گا، اسی طرح تمہارے پاس میری آیتیں آئی تھیں، تو تو نے انہیں بھلا دیا تھا، اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ اور جو حد سے تجاوز کرتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا ہے، اسے ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔“

ڈاکٹر لقمان سلفی رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جو شخص اللہ کے دین سے اعراض کرتا ہے، اور قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر

عمل کرنا ترک کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس عمل بد کا یہ بدلہ دیتا ہے کہ ہر چہار جانب سے اسے تنگی گھیر لیتی ہے، اور روزی کی کشادگی کے باوجود اس کا سکون و اطمینان چھین جاتا ہے، اور مرنے کے بعد اس کی قبر بھی اس پر تنگ ہو جاتی ہے، اور اس کی برزخ کی طویل زندگی شقاوت و بدبختی سے عبارت ہوتی ہے، اور قیامت کے دن اسے اندھا اٹھایا جائے گا، اور جب اپنی اس حالت پر تعجب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں بنا دیا ہے، میں تو دنیا میں اور قبر سے اٹھنے تک آنکھوں والا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے کہ تم دنیا میں اسی طرح آنکھیں رکھنے کے باوجود دل کے اندھے تھے اور ہماری آیتوں کو ٹھکراتے تھے، اسی لیے آج تم جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے اور کوئی تمہارا پرسان حال نہ ہوگا۔“

لہذا اللہ رب العالمین نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے اس مقصد کو بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ پیغمبر لوگوں کے تزکیہ نفس کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝﴾ (الجمعة: ۲)

”وہی ذات ہے، جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنا تا ہے۔ ان کو پاک کرتا، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، یقیناً اس سے پہلے وہ واضح گمراہی میں تھے۔“

حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ لفظ (وَيُزَكِّيهِمْ) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وَيُزَكِّيهِمْ)) آيَ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ، وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

لِيُزَكُّوا نَفْسَهُمْ، وَيَتَطَهَّرُوا مِنَ الدَّنَسِ وَالْخُبْثِ الَّذِي كَانُوا مُتَلَبِّسِينَ فِي حَالِ شِرْكِهِمْ وَجَاهِلِيَّتِهِمْ. ((۱)

”یعنی ”ویز کھیں“ کا معنی یہ ہے کہ وہ انھیں نیکی کا حکم کرتا، اور برائی سے روکتا ہے۔ تاکہ وہ اپنا تزکیہ نفس کرتے ہوئے اس میل کچیل سے پاک ہو جائیں، جس میں زمانہ شرک و جاہلیت میں ملوث تھے۔“ (اتہلی)

(۲) علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

((﴿ وَيُزَكِّيهِمْ ﴾ أَيْ يَحْمِلُهُمْ عَلَى مَا يَصِيرُونَ بِهِ أَزْكَيَاءَ طَاهِرِينَ مِنْ خَبَائِثِ الْعَقَائِدِ وَالْأَعْمَالِ .)) ۲

”یعنی رسول ان کو (ایسے اعمال کی طرف) راغب کرتا ہے، جن سے وہ تزکیہ نفس کرتے ہوئے بُرے عقائد و اعمال سے پاک ہو جائیں۔“

ایسے ہی تزکیہ نفس کی تعلیم دینے کے لیے قرآن حکیم کے دیگر مقامات پر ارشاد ہے:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝ ﴾ (الاعلیٰ: ۱۴)

”یقیناً کامیاب ہوا وہ شخص، جس نے تزکیہ (نفس) کر لیا۔“

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ ﴾ (الشمس: ۹)

”یقیناً کامیاب ہوا وہ شخص، جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کر لیا۔“

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور توضیحات مفسرین سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس علم کا کوئی فائدہ نہیں جب اس کے مطابق اپنی زندگی کو نہ ڈھالا جائے، اور اپنے اعمال کی اصلاح نہ کی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دوستِ احصہ

تقویٰ کی لغوی و شرعی تعریف

تقویٰ کے تفصیلی بیان سے پہلے اس کی لغوی و شرعی تعریف کا بیان کرنا انتہائی ضروری ہے۔
۱۔ ”تقویٰ“ کی لغوی تعریف:

☆ تقویٰ کی لغوی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل الخوی الملقب بالاندلسی المعروف بابن سیدہ (المتوفی ۳۵۸ھ) لکھتے ہیں:

((أَصْلُ الْإِتْقَاءِ الْحَجْزُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ، يُقَالُ: إِتْقَاهُ بِالتَّرَاسِ أَيْ حَبْلَهُ حَاجِزًا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ وَإِتْقَاهُ بِحَقِّهِ أَيْضًا كَذَلِكَ.)) ❶

””اتقاء“ اصل میں دو چیزوں کے درمیان پردہ (فاصلہ) کرنے کو کہتے ہیں (تاکہ وہ آپس میں مل نہ سکیں) کہا جاتا ہے کہ اس نے ڈھال کے ساتھ اپنا بچاؤ کیا یعنی اس نے ڈھال کو اپنے درمیان اور حملہ آور کے درمیان کر کے اس نے اپنا حق بچا لیا۔ یعنی اس کے درمیان اور اس کے چھپنے کے درمیان اس نے آڑ پیدا کر دی۔“

☆ معروف مفسر اور لغوی امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۰۲ھ) رقم طراز ہیں:

((أَلَوَقَايَةُ حِفْظُ الشَّيْءِ مِمَّا يُؤْذِيهِ وَيُفْسِدُهُ، يُقَالُ: وَقَيْتُ الشَّيْءَ وَقَايَةً وَوَقَاءً، قَالَ: (فَوْقَاهُمْ، وَوَقَاهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ، وَمَاهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ، مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ، فُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا، وَالتَّقْوَى حَبْلُ النَّفْسِ فِي وَقَايَةِ مِمَّا يَخَافُ)) ❷

❶ المخصص لابن سیدہ: ۹۳/۱۳

❷ مفردات القرآن للاصفہانی ص: ۵۵۲، باب الواو مع القاف.

”مضر اور نقصان دہ چیز سے محفوظ ہونے کو (وقایہ کہتے ہیں) اسی طرح خوف زدہ

چیز سے اپنے آپ کو حفاظت میں رکھنے کا نام تقویٰ ہے۔“

☆ اسی طرح علامہ ابن سیدہ رحمہ اللہ، علامہ اسمعی بریلوی سے متقی کی تعریف ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں:

((رَجُلٌ مَخْمُومٌ الْقَلْبِ أَيْ تَقَىٰ مِنَ الْغَشِّ وَالْذَّغْلِ)) ❶

”بغض و عداوت اور کینہ پروری سے صاف دل والے آدمی کو ”متقی“ کہتے ہیں۔“

☆ امام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۶ھ) متقی کی لغوی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((اَلْمُتَّقِي فِي اللَّغَةِ اِسْمٌ فَاعِلٌ مِنْ قَوْلِهِمْ وَقَاهُ فَاتَّقَى وَالْوِقَايَةُ فَرَطُ الصِّيَانَةِ)) ❷

”لغت میں متقی باب اتقاء (انتعال) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو انتہائی حفاظت کرنے والے پر بولا جاتا ہے۔“

☆ مندرجہ بالا توضیحات پر غور کریں تو تقویٰ کی یہ جامع تعریف سامنے آتی ہے:

((تَقَى الْقَلْبِ مِنَ الْغَشِّ ، وَالْذَّغْلِ ، وَجَاعِلُ النَّفْسِ فِي وَقَايَةٍ مِمَّا يَخَافُ فَرَطًا))

”حسد و کینہ سے صاف دل والا، خوف زدہ چیزوں سے انتہائی احتیاط سے اپنے

آپ کو بچانے والا آدمی ”متقی“ کہلاتا ہے۔“

۲۔ تقویٰ کی شرعی تعریف:

☆ علامہ فخر الدین الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۶ھ) تقویٰ کی شرعی تعریف نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

❶ المخصص لابن سیدہ: ۹۴/۱۳

❷ تفسیر الکبیر للرازی: ۲۰/۲

((قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ؑ: اَلتَّقْوَى تَرْكُ الْاِضْرَارِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ، وَتَرْكُ الْاِغْتِرَارِ بِالطَّاعَةِ .

وَقَالَ الْحَسَنُ: اَلتَّقْوَى اَنْ لَا تَخْتَارَ عَلَى اللّٰهِ سِوَى اللّٰهِ، وَتَعْلَمَ اَنَّ اَلْاُمُورَ كُلَّهَا بِيَدِ اللّٰهِ . وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اَدَهَمٍ: اَلتَّقْوَى اَنْ لَا يَجِدَ الْخَلْقُ فِي لِسَانِكَ عَيْبًا، وَلَا الْمَلَأُ ثِكَّةً فِي اَفْعَالِكَ عَيْبًا، وَلَا مِلْكُ الْعَرْشِ فِي سِرِّكَ عَيْبًا .

وَقَالَ الْوَاقِدِيُّ: اَلتَّقْوَى اَنْ تُزَيِّنَ سِرَّكَ لِلْحَقِّ كَمَا زَيَّنْتَ ظَاهِرَكَ لِلْخَلْقِ .

وَيُقَالُ اَنْ لَا يَدَاكَ مَوْلَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ .

وَيُقَالُ: اَلْمُتَّقِي مَنْ سَلَكَ سَبِيلَ الْمُصْطَفَى وَنَبَذَ الدُّنْيَا وَرَاءَ الْفَقَا، وَكَلَّفَ نَفْسَهُ الْاِخْلَاصَ وَالْوَقَا، وَاجْتَنَبَ الْحَرَامَ وَالْجَفَا))

”(۱)..... سیدنا علی ؑ فرماتے ہیں کہ اطاعت گزاری کرتے ہوئے دھوکہ بازی کو ترک کرنے اور گناہوں پر اصرار کرنے سے باز آنے کا نام تقویٰ ہے۔

(۲)..... سیدنا حسن ؑ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے علاوہ کسی کو فضیلت نہ دی جائے، اور یقین رکھا جائے کہ تمام کے تمام معاملات صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۳)..... ابراہیم بن ادھم ؒ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اس چیز کا نام ہے کہ لوگ تیری زبان پر کوئی عیب نہ پائیں، فرشتے تیرے ظاہر (اعمال ظاہر) میں عیب نہ پائیں اور عرش کے مالک (اللہ تعالیٰ) کو تیرے باطن میں کوئی عیب نظر نہ آئے۔

(۴)..... علامہ واقدی ؒ فرماتے ہیں: تقویٰ یہ ہے کہ اپنے باطن کو حق تعالیٰ کے سامنے اس طرح خوبصورت کر کے پیش کرو جس طرح اپنے ظاہر کو مخلوق کے

سامنے مزین کر کے پیش کرتے ہو۔

(۵)..... ایک قول یہ بھی ہے، تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مالک تجھے ان چیزوں میں (ملوث) نہ دیکھے جن سے اس نے تجھے منع کیا ہے۔

(۶)..... اور متقی کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے راستے پر چلے اور دنیا کو اپنی پشت پیچھے ڈال دے، اور اپنے آپ کو اخلاص و وفاداری پر آمادہ و تیار کرے، اور حرام کاری و بد اخلاقی سے اجتناب کرے۔

☆ امام ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ اپنی معروف تفسیر ”المحرر الوجیز المعروف بتفسیر ابن عطیہ“ میں (متقین) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((..... (لِلْمُتَّقِينَ) وَالْمَعْنَى لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ اللَّهَ تَعَالَى بِأَمْتِثَالِ أَوَامِرِهِ وَاجْتِنَابِ مَعَاصِيهِ كَانَ ذَلِكَ وَقَايَةً بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَذَابِ اللَّهِ.)) ❶

”متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو احکام الہی کو بجالاتے، اور اس کی نافرمانیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، تو یہ (تقویٰ) ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے درمیان ڈھال بن جائے گا۔“

☆ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تقویٰ کی شرعی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((اَلتَّقْوَى فِي تَعَارُفِ الشَّرْعِ حِفْظُ النَّفْسِ عَمَّا يُؤْتِمُّ وَذَلِكَ بِتَرْكِ الْمَحْظُورِ وَتَيْمُّ ذَلِكَ بِتَرْكِ بَعْضِ الْمُبَاحَاتِ لِمَا رَوَى الْحَلَالُ بَيْنَ، وَالْحَرَامُ بَيْنَ وَمَنْ وَقَعَ حَوْلَ الْحِمَى فَحَقِيقٌ أَنْ يَقَعَ فِيهِ.)) ❷

❶ تفسیر ابن عطیہ: ۱/ ۱۴۴.

❷ المفردات فی غریب القرآن، ص: ۵۵۲.

”عرف شرعی میں اپنے نفس کو گناہ میں واقع کرنے والے اُمور سے بچانے کا نام تقویٰ ہے، اور یہ منہیات کو (مکمل طور پر) اور بعض (مشکوک) مباحات کو بھی ترک کر دینے سے ممکن ہے، جیسا کہ (نبی اکرم ﷺ سے) مروی ہے کہ حلال و حرام (کی حدود) واضح ہیں، اور جو کسی چراگاہ کے قریب بھٹکتا ہے، حقیقت میں اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔“

☆ معروف مفسر، امام ابو القاسم جلال اللہ محمود بن عمر الزمخشری رحمہ اللہ (المتوفی ۵۳۸ھ) تقویٰ کی شرعی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((وَهُوَ فِي الشَّرِيعَةِ الَّذِي يَقِي نَفْسَهُ تَعَاطَى مَا يَسْتَحِقُّ بِهِ الْعُقُوبَةَ مِنْ فِعْلٍ أَوْ تَرْكِ)) ❶

”شریعت میں متقی ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو ایسے اُمور سے بچنے میں معروف ہو جائے جن کے کرنے یا نہ کرنے سے سزا لازم آتی ہے۔“

علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ، تقویٰ کا شرعی معنی ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں:

((..... (وَالْمُتَّقِينَ) وَشَرَعًا صِيَانَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ عَمَّا يَضُرُّ فِي الْآخِرَةِ.)) ❷

”شریعت کے مطابق اپنے آپ کو آخرت میں نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھنے والا متقی کہلاتا ہے۔“

☆ مندرجہ بالا توضیحات پر غور کرنے سے تقویٰ اور اہل تقویٰ کی یہ جامع تعریف سامنے آتی ہے:

”متقی وہ آدمی ہے جو اپنی عاقبت کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے کاموں سے اجتناب

❶ تفسیر الکشاف، للزمخشری : ۹۱/۱.

❷ تفسیر روح المعانی للآلوسی : ۱۰۸/۱.

کرے، جو اس کی عاقبت میں خلل اور خطرہ کا باعث بننے والے ہیں۔“

۳۔ مراتب تقویٰ:

ہر چیز کے کچھ درجات ہوتے ہیں، اسی طرح تقویٰ کے بھی کچھ مراتب ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تقویٰ کے مراتب یوں بیان فرماتے ہیں:

((وَالْمَرَاتِبُ مُتَعَدَّةٌ لِتَعَدُّ مَرَاتِبِ الضَّرَرِ:

فَأُولُهَا التَّوَقُّيُّ عَنِ الشِّرْكِ

وَالثَّانِيَةُ: التَّجَنُّبُ عَنِ الْكِبَائِرِ وَمِنْهَا الْإِصْرَارُ عَلَى الصَّغَائِرِ

وَالثَّالِثَةُ: مَا أُشِيرَ إِلَيْهِ بِمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَدَرًا

مِمَّا بِهِ بَأْسٌ ، وَفِي هَذِهِ الْمَرْتَبَةِ يُعْتَبَرُ تَرْكُ الصَّغَائِرِ .)) ۱

”جیسے تکلیف و ضرر کے مختلف مراتب ہیں اسی طرح تقویٰ کے بھی مختلف مراتب

ہیں:

(۱)..... پہلا مرتبہ شرک سے اجتناب۔

(۲)..... دوسرا مرتبہ کبیرہ گناہوں سے کنارہ کشی۔

(۳)..... تیسرا مرتبہ وہ ہے جس کی طرف امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت کردہ

حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے: ”آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک

حرج والی چیزوں سے بچنے کے لیے ان چیزوں کو ترک نہ کر دے، جن کے کرنے

میں حرج نہیں ہے، اور اس مرتبہ میں معتبر ترین چیز صغیرہ گناہوں کو ترک کرنا ہے۔“



تقویٰ کی اہمیت

تقویٰ کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ہم سب سے پہلے گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ قوم نوح علیہ السلام:

اللہ رب العزت نے سیدنا نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، تو آپ نے بعثت کے بعد جو سب سے پہلے دعوت دی اس میں عبادت الہی کے بعد سرفہرست تقویٰ تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ نوح علیہ السلام نے انہی سے کہا:

﴿ اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيعُوْنِ ۝ ﴾ (نوح: ۳)

”تم اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَذَبَتْ قَوْمٌ نُّوحَ ۙ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ نُوحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ ۝ ﴾

(الشعراء: ۱۰۵ تا ۱۰۸)

”قوم نوح (علیہ السلام) نے رسولوں کو جھٹلایا، جب ان کو ان کے بھائی نوح نے کہا:

تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے؟ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس

تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

۲۔ قوم عاد:

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف رسول بنا کر بھیجا، جنہوں نے اپنی قوم کو

سب سے پہلے اللہ کے تقویٰ یعنی اس سے ڈرنے کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں آپ کا ارشاد یوں مذکور ہے:

﴿كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝
إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝﴾

(الشعراء: ۱۲۳ تا ۱۲۶)

”قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلا دیا جب ان کو ہود (ؑ) نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا ۝ قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهِ
غَیْرِهِ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝﴾ (الأعراف: ۶۵)

”اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (نبی بنا کر بھیجا) اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الہ نہیں ہے۔ تم کیوں نہیں ڈرتے؟“

۳۔ قوم ثمود کو تقویٰ کا حکم:

قوم ثمود کی طرف اللہ تعالیٰ نے سیدنا صالح (ؑ) کو مبعوث فرمایا، جنہوں نے اپنی قوم کو یوں دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ ضَلِیْحُ أَلَا
تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝﴾

(الشعراء: ۱۴۱ تا ۱۴۴)

”قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلا دیا، جب ان کے بھائی صالح (ؑ) نے انہیں کہا:

تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

۴۔ سیدنا لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تقویٰ کی دعوت:

اللہ تعالیٰ سیدنا لوط علیہ السلام کے حالات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سیدنا لوط علیہ السلام نے ”سدوم“ اور ”عمورہ“ والوں کو ان کے شرک و معاصی کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا، اور اپنی اطاعت و اتباع کی دعوت دی۔

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ﴾

(الشعراء: ۱۶۰ تا ۱۶۳)

”قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔ جب ان کے بھائی لوط نے انہیں کہا: تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

قوم لوط کو ان خوبصورت مہمانوں کے آنے کی اطلاع ملی تو۔

﴿قَالَ يَقَوْمُ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنَ فِي ضَيْفِي ۚ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ۚ﴾ (ہود: ۷۸)

”(سیدنا لوط علیہ السلام نے) کہا! اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے مہمانوں میں رسالت کرو، کیا تم میں کوئی آدمی سمجھ دار نہیں ہے۔“

اہل مدین ”أَصْحَابُ الْآيَةِ“ اور تقویٰ:

اہل مدین کو اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ”أَصْحَابُ الْآيَةِ“ کا نام دیا ہے۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿كَذَّبَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِينَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ﴾

(الشعراء: ۱۷۶ تا ۱۷۹)

” (اصحاب الایکے) یعنی بند والوں نے رسولوں کو جھٹلایا، جب ان کو شعیب (ؑ) نے

کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر

بھیجا گیا ہوں، پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

سرکش فرعون کو تقویٰ کا حکم:

اللہ رب العزت نے فرعون جو کہ مصر کا ایک ظالم اور سرکش حکمران تھا، جس نے اپنے رب ہونے کا دعویٰ بھی کر رکھا تھا، اور لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتا تھا۔ جب یہ اپنی سرکشی اور عداوت میں حد سے تجاوز کر گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر سیدنا موسیٰ (ؑ) کو اس کی طرف نبی بنا کر بھیجا، انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا۔ اس واقعہ کو رب العالمین نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ ذیل میں اُن فرامین الہیہ کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر سیدنا موسیٰ (ؑ) نے فرعون کو تقویٰ کا حکم دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۚ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۚ فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْكَىٰ ۚ وَ أَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۚ﴾ (النازعات: ۱۵ تا ۱۹)

”تحقیق آپ کے پاس موسیٰ (ؑ) کی خبر آئی، جب اس کے رب نے اسے

مقدس وادی طویٰ میں پکارا تھا کہ آپ فرعون کی طرف جائیے، بے شک وہ

سرکش ہو چکا ہے، پھر اس سے کہیے، کیا تو تزکیہ کرنے کو تیار ہے، اور میں تیرے

رب کی طرف تیری رہنمائی کروں، تاکہ تو اُس سے ڈر جائے۔“

اسی واقعے کو رب العالمین نے سورہ طہ میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:

﴿ اِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لِّعَلَّهٖ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝ ﴾ (طہ: ۴۳، ۴۴)

”تم دونوں (سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے، پس تم دونوں اسے نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔“

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو تقویٰ کا حکم دینا:

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب آپ سے آسمان سے نزول دسترخوان کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یَعِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُنْزِلَ عَلَیْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۚ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ (المائدہ: ۱۱۲)

”جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب اس پر قادر ہے کہ آسمان سے ہم پر دسترخوان نازل کرے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔“

نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ اور تقویٰ:

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اپنے نبی محمد ﷺ کو تقویٰ اختیار کرنے کا درس دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِيعِ الْکَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب: ۱)

”اے نبی ﷺ! آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور کافروں اور منافقوں کی

اطاعت نہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

زواجِ مطہرات اور تقویٰ و پرہیزگاری:

اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يَنْسَاءَ النَّبِيُّ لَسْتَنْ كَاخِدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ (الاحزاب: ۳۲)

”اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہو، تو

اپنی بات ایسی نرمی سے نہ کرو کہ دل کا مریض اپنے دل میں طمع کرے، اور تم

معقول بات کرو۔“

معزز قارئین کرام! یہ تھا ان آیات کریمہ کا مختصر سا خاکہ کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے

نبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصاً نبی اکرم ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں

تقویٰ کا تذکرہ فرمایا..... یا حکم دیا۔ ان آیات میں خوفِ الہی کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے،

یوں کہ آنے والے ہر نبی نے توحید باری تعالیٰ کی دعوت پیش کرنے کے بعد اپنی اپنی

قوم کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کا درس دیا ہے۔

امام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ تقویٰ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لِلْمُتَّقِيْ فَضِيْلَةٌ اِلَّا مَا فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰی ﴿ هٰذِيْ

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ كَفَاؤُ لَّاَنَّهُ تَعَالٰی بَيَّنَّ اَنَّ الْقُرْآنَ هٰذِيْ لِلنَّاسِ فِيْ قَوْلِهِ

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هٰذِيْ لِلنَّاسِ ﴾ ثُمَّ قَالَ: هٰهٰنَا

فِي الْقُرْآنِ: اِنَّهُ هٰذِيْ لِلْمُتَّقِيْنَ ، فَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْمُتَّقِيْنَ هُمْ

كُلُّ النَّاسِ مِمَّنْ لَا يَكُوْنُ مُتَّقِيًّا كَاَنَّهُ لَيْسَ بِاِنْسَانٍ .)) •

”اگر متقی کی اس آیت کریمہ (هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ) میں بیان کردہ فضیلت کے علاوہ اور کوئی فضیلت نہ بھی ہوتی، تو یہی آیت کریمہ ہی کافی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (ایک دوسرے مقام پر) واضح کیا ہے کہ یہ قرآن لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن کریم کو نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہے)، پھر قرآن کے بارے میں اس مقام پر فرمان جاری کر دیا ہے کہ یہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے۔ تو یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صرف متقی ہی انسان ہیں، گویا کہ جو متقی نہیں ہے، وہ انسان ہی نہیں ہے۔“

مثل مشہور ہے:

زندگی	آمد	برائے	بندگی
زندگی	بے	بندگی	شرمندگی



تقویٰ اور عقائد

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں جو عقیدہ بھی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اس کے ساتھ تقویٰ کا خصوصی طور پر تذکرہ فرمایا ہے۔ ذیل کی سطور میں ایمان باللہ کا ذکر ہوگا تاکہ مومنین کے دلوں میں خوفِ الہی کا جذبہ جاگزیں ہو جائے۔

ایمان اور تقویٰ:

ایمان اور تقویٰ دونوں لازم و ملزوم ہیں، اگر دل میں ایمان ہو، لیکن تقویٰ موجود نہ ہو تو ایمان کا کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح اگر دل میں تقویٰ موجود ہو، لیکن ایمان موجود نہ ہو تو اس تقویٰ کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے متقین کی علامات میں سے جو سب سے پہلی علامت بیان فرمائی ہے، وہ ایمان ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ (البقرہ: ۳، ۲)
 ”(یہ قرآن) ہدایت ہے متقین کے لیے، وہ لوگ جو (اللہ پر) بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔“

اسی طرح رب کائنات نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ایمان والوں کو مخاطب کر کے تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ۝﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمہیں موت صرف اور صرف مسلمان ہونے کی حالت میں آنی

چاہیے۔“

سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ ﴾ (المائدہ: ۸۸)

”اور جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال، پاکیزہ مال عطا کیا ہے اسے کھاؤ، اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔“

ان آیات کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے، اگر دل میں اللہ پر ایمان ہی نہ ہو، تو خواہ انسان کتنا ہی رقیق القلب کیوں نہ ہو اس کو متقی اور پرہیزگار نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ایک آدمی نے اگر تقویٰ کی بنیاد کو حاصل نہیں کیا ہے، تو وہ تقویٰ کو کیوں کر حاصل کر سکتا ہے؟

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ ﴾ (المائدہ: ۹۳)

”ان لوگوں پر جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کیے اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب وہ تقویٰ اختیار کریں، اور ایمان لائیں، اور نیک اعمال کریں، پھر وہ تقویٰ اختیار کریں، اور ایمان لائیں، پھر تقویٰ اختیار کریں، اور احسان کریں، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

جب شراب اور جوئے کی حرمت کے بارے میں اللہ رب العزت نے فیصلہ کن حکم نازل کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی مکرم ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول! ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا کیا بنے گا، جو شراب پیتے، اور جو اکیلے تھے۔ اور اسی حالت میں

ان کو موت آگئی تھی؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ❶

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
 ((.....(وَالْقَوْلُ الْخَامِسُ) إِنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ هَذَا التَّكْوِينِ التَّكْيِيدُ،
 وَالْمُبَالَغَةُ فِي الْحِثِّ عَلَى الْإِيمَانِ وَالتَّقْوَى .)) ❷

”پانچواں قول یہ ہے کہ (اس آیت میں) ایمان اور تقویٰ کے تکرار سے بیان
 تاکید اور مبالغہ مقصود ہے۔“

اللہ تعالیٰ اہل کتاب اور گزشتہ قوموں کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَ
 لَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ ﴾ (المائدہ: ۶۵)

”اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے، اور تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ہم ان کے
 گناہوں کو مٹا دیتے، اور یقیناً ہم ان کو نعمتوں والی جنتوں میں داخل کر دیتے۔“
 ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ
 السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ﴾
 (الاعراف: ۹۶)

”اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے، اور تقویٰ اختیار کر لیتے، تو یقیناً ہم ان
 پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلادیا،
 تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔“

ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ساتھ تقویٰ کے مضمون کو بھی لازمی

❶ فتح القدیر: ۱/ ۵۰۰.

❷ تفسیر الکبیر للرازی، ج: ۱۲، ص: ۸۴.

قرار دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے بغیر ایمان پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا، اور نہ تقویٰ کا حصول ایمان کے بغیر ممکن ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَعْبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (الزمر: ۱۰)

”آپ کہہ دیجیے، اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو، اپنے رب سے ڈرو، جنہوں نے بھلائی کی، ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے، بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔“

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ رب العالمین نے ایمان کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا بھی دیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: مندرجہ بالا آیات کریمہ سے ذہن میں سوا اٹھتا ہے کہ کیا جس آدمی کے دل میں تقویٰ نہ ہو، وہ مومن ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا آسا سا جواب یہی ہے کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہو اور اگر ایمان کے ساتھ ساتھ رضا الہی والے اعمال کیے جائیں تو اس سے تقویٰ کا حصول ممکن ہے۔ اس کے برعکس اگر اعمال ترک کر دیا جائے، تو تقویٰ سے خالی دل آہستہ آہستہ ایمان سے بھی خالی ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((وَالْمُرَادُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنْ يَضُمُوا إِلَى الْإِيمَانِ التَّقْوَى ، وَهَذَا مِنْ أَوَّلِ الدَّلَائِلِ عَلَى أَنَّ الْإِيمَانَ يَبْقَى مَعَ

الْمَعْصِيَةِ (۱)

”مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ایمان کے ساتھ تقویٰ کو بھی شامل کرنے کا حکم دے رہے ہیں، اور معصیت کے ساتھ ایمان کے بقاء کے اول دلائل میں سے ایک ہے۔“

ویسے تو قرآن حکیم میں ایمان کے ساتھ لزوم تقویٰ کے اور دلائل بھی موجود ہیں، لیکن ہم فطوالت کے پیش نظر صرف ان ہی دلائل پر اکتفاء کرتے ہیں۔



تقویٰ اور عبادات

جس طرح ایمان اور تقویٰ آپس میں لازم و ملزوم ہیں، بالکل اسی طرح تقویٰ اور عبادات بھی آپس میں لازم و ملزوم ہیں، جو عبادات تقویٰ کی بنیاد پر ہوں وہ درجہ قبولیت کو پہنچ جاتی ہیں، وگرنہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں، جس جس عبادت کا ذکر کیا ہے ساتھ تقویٰ کو ضرور جوڑا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم چند عبادات کا ذکر کیے دیتے ہیں، تاکہ ان عبادات کو بجالانے والا اپنے اندر تقویٰ و پرہیزگاری ضرور پیدا کر لے۔

۱۔ نماز اور تقویٰ:

کلمہ توحید کے بعد اسلام کا بنیادی رکن نماز ہے، جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے:

((أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ)) •

”قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔“

ہمارے اس عنوان کے پیش نظر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اقامت الصلوٰۃ کے ساتھ تقویٰ کا بھی حکم موجود ہے، ان میں سے چند ایک کو ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

مستقین کی علامات میں سے ایک علامت نماز بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۚ فِيهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝﴾

(البقرہ: ۲، ۳)

• علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، باب المحاسبة علی الصلاۃ، رقم:

”اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے، اس میں متقین کے لیے ہدایت ہے۔

(متقین وہ لوگ ہیں) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم

نے ان کو رزق دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔“

ایک مقام پر رب العالمین نے اسلام لانے کے حکم کے بعد نماز اور اس کے ساتھ تقویٰ

اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ط وَأُمْرُنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

أَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّقُوا ط وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝﴾

(الأنعام: ۷۱، ۷۲)

”آپ فرمادیجیے! بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور ہمیں حکم دیا

گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پالنے والے کے مطیع و فرماں بردار بن جائیں،

اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور وہی ذات ہے جس کی

طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((..... ﴿وَأُمْرُنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ وَأَعْلَمَ أَنَّ قَوْلَهُ ﴿إِنَّ

هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ﴾ دَخَلَ فِيهِ جَمِيعُ أَقْسَامِ الْمَأْمُورَاتِ

وَالْإِحْتِرَازِ عَنْ كُلِّ الْمَنْهِيَّاتِ، وَتَقْرِيرُ الْكَلَامِ أَنَّ كُلَّ مَا تَعَلَّقَ

أَمْرُ اللَّهِ بِهِ فَإِمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ بَابِ الْأَفْعَالِ وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ

بَابِ التَّوَكُّلِ. ((۱

”یاد رکھو کہ آیت (إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ) میں احکام کی تمام اقسام اور

منہیات سے احتراز شامل ہے، اور سیاق کلام بھی جن احکام الہی پر مشتمل ہے یا تو

ان کا تعلق افعال (احکام الہی) سے ہے، اور یا وہ منہیات سے متعلقہ ہیں۔“
 ان آیات کریمہ کا سیاق و سباق دو ہی چیزوں پر مشتمل ہے یا تو وہ اوامر سے متعلقہ ہیں
 اور یا نواہی کے تو اس میں اوامر کو قدرے تفصیل اور نواہی کو بالا جمال ذکر کیا گیا ہے۔ امام
 رازی برائے اس تفصیل و اجمال کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

((أَمَّا الْقِسْمُ الْأَوَّلُ :..... فَأَمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ بَابِ أَعْمَالِ الْقُلُوبِ
 وَأَمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ بَابِ أَعْمَالِ الْجَوَارِحِ ، وَرَيْنِسُ أَعْمَالِ
 الْقُلُوبِ مِنَ الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَالْإِسْلَامِ لَهُ ، وَرَيْنِسُ أَعْمَالِ
 الْجَوَارِحِ الصَّلَاةُ ، وَأَمَّا الَّذِي يَكُونُ مِنْ بَابِ التَّوَكُّلِ فَهُوَ
 التَّقْوَى وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنِ الْإِتْقَاءِ عَنْ كُلِّ مَا لَا يَنْبَغِي ، وَاللَّهُ
 سُبْحَانَهُ لِمَا بَيْنَ أَوَّلَا : أَنَّ الْهُدَى النَّافِعَ هُوَ هُدَى اللَّهِ ذَلِكَ
 الْكَلَامُ الْكَلْبِيُّ بِذِكْرِ أَشْرَفِ أَقْسَامِهِ عَلَى التَّرْتِيبِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ
 الَّذِي هُوَ رَيْنِسُ الطَّاعَاتِ الرُّوحَانِيَّةِ ، وَالصَّلَاةُ الَّتِي هِيَ
 رَيْنِسُ الطَّاعَاتِ الْجِسْمَانِيَّةِ ، وَالتَّقْوَى الَّتِي هِيَ رَيْنِسَةُ لِبَابِ
 التَّوَكُّلِ وَالْإِحْتِرَازِ عَنْ كُلِّ مَا لَا يَنْبَغِي ثُمَّ بَيْنَ مَنَافِعِ هَذِهِ
 الْأَعْمَالِ فَقَالَ : ﴿ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾ إِنَّ مَنَافِعَ هَذَا
 الْأَعْمَالِ إِنَّمَا تَظْهَرُ فِي يَوْمِ الْحَشْرِ وَالْبَعْثِ وَالْقِيَامَةِ))

”پہلی قسم یعنی جو افعال و اعمال سے متعلقہ ہے اس کا تعلق یا تو اعمال دل سے
 ہوتا ہے یا افعال جوارح (بدنی اعمال) سے۔ تو اعمال دل میں سے سب سے
 عظیم عمل اللہ پر ایمان لانا، اور اسلام قبول کرنا ہے۔ اسی طرح افعال جوارح
 (بدنی عبادات) میں سے سب سے عظیم ترین عمل نماز ہے۔ اور وہ قسم جو منہیات
 سے متعلقہ ہے، وہ تقویٰ ہے، جو ہر نامناسب چیز سے بچنے کا نام ہے۔ تو یہاں

پر پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ جو نفع مند ہدایت ہے، وہ اللہ کی ہی ہدایت ہے، تو اس کے بعد کلی طور پر اسکی افضل ترین اقسام کو بھی بالترتیب بیان کر دیا، اور وہ اسلام، جو کہ روحانی عبادت میں چوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نماز ہے جو بالترتیب جسمانی عبادات میں چوٹی کی حیثیت رکھتی ہے، اور تقویٰ جو تمام منہیات کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر ان اعمال کے فوائد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: (وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ) یعنی اس کے فوائد قیامت کے دن سامنے آئیں گے۔“

اور سورۃ الروم میں ارشاد فرمایا:

﴿ مُبَيِّنِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُمْشِرِينَ ۝ ﴾ (الروم: ۳۱)

”اس (اللہ) کی طرف رجوع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور نماز قائم کرو، اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔“

اس آیت کریمہ میں عقیدہ توحید، تقویٰ اور نماز کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ ﴾ (فاطر: ۱۸)

”بس آپ کا ڈرانا، ان لوگوں کے لیے (فائدہ مند) ہے جو بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے، اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جس شخص نے تزکیہ نفس کیا اسنے اپنے ہی لیے تزکیہ کیا، اور اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔“

۲۔ روزہ اور تقویٰ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں روزے کی فرضیت کے احکام صادر فرما کر اس کا مقصود

تقویٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کر دیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اور تقویٰ کا چولی دامن کا تعلق ہے۔ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فَوَيْهِ وَجُوهُ أَحَدَهَا: أَنَّهُ سُبْحَانَهُ بَيْنَ بِهَذَا الْكَلَامِ أَنَّ الصَّوْمَ يُورِثُ التَّقْوَى لِمَا فِيهِ مِنْ انْكِسَارِ الشَّهْوَةِ وَانْقِمَاعِ الْهَوَى فَإِنَّهُ يَرُدُّ عَنْ الْأَشْرِ وَالْبَطْرِ وَالْفَوَاحِشِ يَهْوُونَ لَذَاتِ الدُّنْيَا وَرِيَّاسَتِهَا، وَذَلِكَ لِأَنَّ الصَّوْمَ لِكَسْرِ شَهْوَةِ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ وَإِنَّمَا يَسْعَى النَّاسُ لِهَٰذَيْنِ، كَمَا قِيلَ فِي الْمَثَلِ السَّائِرِ: الْمَرْءُ يَسْعَى لِعَارِيَةِ بَطْنِهِ وَمِزْجِهِ .

فَمِنْ أَكْثَرِ الصَّوْمِ هَانٌ عَلَيْهِ أَمِيرُ هَٰذَيْنِ وَخَفَّتْ عَلَيْهِ مَوَازِينُهُمَا فَكَانَ ذَلِكَ رَادِعًا مَالَهُ عَنْ إِرْتِكَابِ الْمَحَارِمِ وَالْفَوَاحِشِ، وَمُهِوَّنًا عَلَيْهِ أَمْرُ الرِّيَّاسَةِ فِي الدُّنْيَا وَذَلِكَ جَامِعٌ لِأَسْبَابِ التَّقْوَى فَيَكُونُ مَعْنَى الْآيَةِ فُرِضَتْ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ لِتَكُونُوا بِهِ مِنَ الْمُتَّقِينَ الَّذِينَ أَتَيْتُ عَلَيْهِمْ فِي كِتَابِي وَأَعْلَمْتُ أَنَّ هَٰذَا الْكِتَابَ هُدًى لَهُمْ وَلَمَّا اخْتَصَّ بِهَٰذِهِ الْخَاصِيَّةِ حَسَنٌ مِنْهُ تَعَالَى: أَنْ يَقُولَ عِنْدَ إِنْجَابِهَا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ مِنْهَا بِذَلِكَ عَلَى وَجْهِ وَجُوبِهِ لِأَنَّ مَا يَمْنَعُ النَّفْسَ عَنِ الْمَعَاصِي لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ وَاجِبًا .

وَتَأْنِيهَا: اَلْمَعْنٰى يَنْبَغِيْ لَكُمْ بِالصَّوْمِ اَنْ يَّقْوٰى وَجَاءَ كُمْ فِي التَّقْوٰى وَهَذَا مَعْنٰى (لَعَلَّ)

وَتَأْنِيهَا: اَلْمَعْنٰى يَنْبَغِيْ لَكُمْ بِالصَّوْمِ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اللّٰهَ بِصَوْمِكُمْ وَتَرْكِكُمْ لِلشَّهَوَاتِ ، فَإِنَّ الشَّيْءَ كُلَّمَا كَانَتْ الرَّغْبَةُ فِيْهِ أَكْثَرَ كَانَ الْإِتْقَاءُ وَالرَّغْبَةُ فِي الْمَطْعُومِ وَالْمَنْكُوحِ أَشَدُّ مِنَ الرَّغْبَةِ فِي سَائِرِ الْأَشْيَاءِ فَإِذَا سَهَلَ عَلَيْكُمْ إِتْقَاءُ اللّٰهِ بِتَرْكِ الْمَطْعُومِ وَالْمَنْكُوحِ كَانَ إِتْقَاءُ اللّٰهِ بِتَرْكِ سَائِرِ الْأَشْيَاءِ ، أَسْهَلَ وَأَخَفَ .

وَحَاصِلُهَا: لَعَلَّكُمْ تَتَّعِظُونَ بِسَبَبِ هَذِهِ الْعِبَادَةِ فِي زُمْرَةِ الْمُتَّقِينَ لِأَنَّ الصَّوْمَ شِعَارُهُمْ .)) ❶

”امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کے آخر میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ لانے کی کئی ایک وجوہات ہیں:

(۱)..... پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت اس کلام سے واضح کرنا چاہتے ہیں کہ روزہ تقویٰ کا مضمّن اور خواہشات کو ختم کرنے والا ہے، کیونکہ وہ برائیوں سے روکتا اور تکبر، فحاشی سے دُور رکھنے والا، اور دنیاوی لذات و خواہشات سے بے رغبت کرنے والا ہے، اور یہ اس لیے ممکن ہے، کیوں کہ روزہ پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کو پارہ پارہ کرنے والا ہے، اور یہی وہ دو چیزیں ہیں، جن کے حصول کی انسان بھرپور کوشش کرتا ہے۔

پس جو انسان روزے کثرت سے رکھے گا اس پر ان دونوں کے حصول کی حسرت کمزور پڑ جائے گی جس سے ان دونوں چیزوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ تو گویا کہ

روزہ اس کو حرام کاریوں اور فحش گوئیوں کے ارتکاب سے روکنے، اور دنیاوی ریاست و سیادت کی خواہش کو کمزور کرنے والا ہے۔ گویا کہ (روزہ) اسباب تقویٰ کا مجموعہ ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا (کہ میں نے تم پر روزے فرض اس لیے کیے ہیں، تاکہ ان کے ذریعے تم ایسے متقی بن سکو، جن کی میں نے اپنی کتاب میں ثناء و مدح کی ہے، اور واضح کر دیا ہے کہ یہ کتاب صرف ان کے لیے ہی ہدایت کا باعث ہے۔ جب روزے اور تقویٰ کا یہ تعلق معلوم ہو جائے، تو اس کی فرضیت کے حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا بھی بجا ہوا (تاکہ تم متقی بن جاؤ)، کیوں کہ جو چیز نفس کو گناہوں سے روکتی ہے، اس کا واجب ہونا بھی ضروری ہے۔

(۲)..... اس عبادت کے فرض کرنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ تم تقویٰ میں سخت جان ہو جاؤ اور (لَعَلَّ) کا یہی مفہوم ہے۔

(۳)..... اس عبادت کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ تاکہ تم روزہ رکھ کر اور شہوات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ کبھی کبھی کسی چیز سے کثرت رغبت کی وجہ سے پچتا مشکل ہوتا ہے، اور باقی تمام اشیاء کی نسبت کھانے، پینے اور جماع کرنے میں رغبت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ لہذا جب ان چیزوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا آسان ہو جائے گا، تو باقی تمام کی تمام چیزوں کو ترک کرنا اور زیادہ آسان سے آسان تر ہو جائے گا.....

ان الفاظ کے استعمال کی پانچویں حکمت یہ ہے کہ تم اس عبادت کے ذریعے متقین کے زمرے میں شامل ہو جاؤ، کیونکہ روزہ ان کا شعار اور علامت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اس ساری کی ساری گفتگو کا خلاصہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان میں موجود ہے۔ چنانچہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) •

”جو آدمی جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا ترک کرنے کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

توجہ طلب بات:..... قارئین کرام! روزے کے اسرار و رموز اور اس کے فوائد و ثمرات پر غور فرمائیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر حرام چیزیں تو ذور کی بات حلال چیزوں سے بھی رُک جاتا ہے۔ مثلاً عام حالات میں (حلال چیزوں) کا کھانا پینا جائز تھا، لیکن ایک خاص وقت سے لے کر خاص وقت تک ان حلال چیزوں سے بھی اجتناب کا پابند ہو گیا، گویا کہ انسان کو یہ درس اور سبق دیا جا رہا ہے کہ اے انسان! جس طرح تو نے اللہ کا حکم تسلیم کرتے ہوئے حلال چیزوں کو ترک کر دیا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر حرام چیزوں سے اجتناب کرنا شروع کر دے۔ اور یہی تقویٰ کی انتہا ہے۔ اور مذکورہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہمیں یہی درس ملتا ہے۔

۳۔ صدقہ، خیرات، زکوٰۃ اور تقویٰ:

گذشتہ صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام کی تمام عبادات کو تقویٰ اور خوفِ الہی کا پیش خیمہ قرار دیا ہے، اور اگر ان عبادات کو کرتے وقت دل میں تقویٰ اور خوفِ الہی نہ ہو، تو ان عبادات کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۲۱)

”اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں، اور تم سے پہلے لوگوں کو

پیدا کیا، تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔“

اگر تقویٰ کا حصول چاہتے ہو، تو اللہ کی عبادت کرو، اسی طرح اللہ کی عبادت کا مقصد بھی حصول تقویٰ ہی ہونا چاہیے، اس کے علاوہ کوئی اور غرض و غایت نہیں ہونی چاہیے۔

اب ہم اپنی بات کو آگے چلانے کے لیے اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔
قارئین کرام! اتفاق فی سبیل اللہ زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے، اور ان دونوں میں عموم و خصوص ہے۔ یعنی اتفاق فی سبیل اللہ میں عموم ہے اور اس سے مراد ہر وہ مال ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، اور زکوٰۃ خاص لفظ ہے جس سے مراد شرعی طور پر وہ مقررہ مال ہے جس کا صاحب نصاب پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا فرض اور ضروری ہے۔ جس کا مقصد بھی دلوں میں اللہ کا تقویٰ، خشیت الہی اور اللہ کا خوف پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا
لِّأَنْفُسِكُمْ طَوْمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ﴾

(التغابن : ۱۶)

”پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنتے رہو، اور اطاعت کرتے رہو اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہو، اور وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچالیا گیا، پس وہی شخص کامیاب ہے۔“
اس آیت کریمہ میں خوف الہی کا حکم دینے کے بعد تین چیزوں کا حکم فرمایا ہے:

۱۔ سمع۔

۲۔ اطاعت۔

۳۔ اور اتفاق فی سبیل اللہ۔

اول الذکر دو چیزوں پر بحث کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ وہ ہمارے عنوان سے متعلقہ نہیں لہذا آخر الذکر یعنی ”اتفاق فی سبیل اللہ“ کے بارے میں گفتگو کرنا مقصود ہے۔ گزشتہ

صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ میں عموم و خصوص کا فرق ہے۔ لہذا زکوٰۃ کے لیے ”انفاق فی سبیل اللہ“ کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے اس کے برعکس انفاق فی سبیل اللہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مال زکوٰۃ کا ہی ہو، بلکہ صدقہ و خیرات بھی ہو سکتا ہے۔ امام راغب اصفہانی برائے لکھتے ہیں:

((وَالْإِنْفَاقُ قَدْ يَكُونُ فِي الْمَالِ وَفِي غَيْرِهِ وَقَدْ يَكُونُ وَاجِبًا وَتَطَوُّعًا.)) ❶

”لفظ انفاق کا اطلاق مال اور غیر مال دونوں پر ہوتا ہے، اسی طرح واجب (زکوٰۃ) اور نفل (صدقہ و خیرات) کے لیے بھی اس کا (عام) استعمال ہوتا ہے۔“ زکوٰۃ و خیرات کا مقصد بھی حصول تقویٰ ہے، اگر زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات حصول تقویٰ اور حصول رضائے الہی کے لیے نہ دیے جائیں، تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں، جیسا کہ ابواب العلم میں ”صحیحین“ کے حوالے سے طویل روایت گزر چکی ہے۔ لہذا امام راغب اصفہانی برائے اپنی کتاب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:

((الزَّكْوَةُ لِمَا يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ مِنْ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى إِلَى الْفُقَرَاءِ وَتَسْمِيَّتُهُ بِذَلِكَ مِمَّا يَكُونُ فِيهَا مِنَ الرِّجَاءِ وَالْبَرَكَةِ أَوْ لِتَرْكِيبَةِ النَّفْسِ أَى تَمْنِيَّتِهَا بِالْخَيْرَاتِ وَالْبَرَكَاتِ أَوْ لِهَمَّا جَمِيعًا فَإِنَّ الْخَيْرَيْنِ مَوْجُودَانِ فِيهَا، وَقَرَنَ اللَّهُ تَعَالَى الزَّكْوَةَ بِالصَّلَاةِ فِي الْقُرْآنِ بِقَوْلِهِ ﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكْوَةَ ﴾ وَبِرِكَاءِ النَّفْسِ وَطَهَارَتِهَا يَعْبُرُ الْإِنْسَانُ بِحَيْثُ يَسْتَحِقُّ فِي الدُّنْيَا الْأَوْصَافَ الْمَحْمُودَةَ وَفِي الْآخِرَةِ الْأَجْرُ وَالْمُثُوبَةُ وَهُوَ أَنْ يَتَحَرَّى الْإِنْسَانُ مَا فِيهِ تَطْهِيرَةٌ.)) ❷

❶ المفردات فی غریب القرآن: ۵۲۲، باب النون مع الفاء

❷ المفردات فی غریب القرآن: ۲۱۲، باب الذاء مع الکاف

”زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے انسان فقراء و مساکین کے حوالے کرتا ہے، اور اس کا نام زکوٰۃ اس لیے ہے کہ انسان اس کے ذریعے برکت اور تزکیہ نفس کی اُمید رکھتا ہے یعنی خیرات و برکات کے حصول کی آرزو اور تمنا۔ تو اس میں دونوں چیزوں کا حصول ممکن ہے۔ رب العالمین نے قرآن حکیم میں زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور تزکیہ نفس کے ذریعے انسان دنیا میں اوصاف محمودہ اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اس لیے انسان کو ایسی چیز کی تلاش میں رہنا چاہیے جس سے اس کی (گناہوں سے) پاکیزگی ہو سکے۔“

امام اصفہانی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا معنی ہی حصول طہارت (روحانی و جسمانی) ہے جو اللہ کے خوف اور خشیت الہی کے بغیر ناممکن ہے۔

اسی طرح وہ آیت کریمہ جو شروع سے ہی ہمارا محل استدلال بنتی چلی آ رہی ہیں اس میں متقین کی ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝﴾

”اور وہ لوگ (متقی ہیں) جو ہمارے عطا کیے ہوئے (مال) سے خرچ کرتے

ہیں۔“

مالی اور بدنی عبادت:

زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جو بیک وقت مالی بھی ہے، اور بدنی بھی، کیونکہ انسان سارا دن حلال مال کی جستجو میں رہتا ہے، اس کے بعد حلال طریقے سے اپنے ہاتھ سے کمائے اس مال کو جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، تو اللہ رب العزت اسے شرف قبولیت سے نوازتے ہیں۔

نیکوکار لوگ:

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں نیک لوگوں کو جن انعامات سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے، وہ یہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۝ عَيْنًا

يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ۝﴾ (الدھر: ۶۵)

”بے شک نیک لوگ پیالوں سے (ایسے مشروبات) پئیں گے جن کا ذائقہ کافور

کا ہوگا، یعنی (جنت میں) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے اسے جدھر

چاہیں گے پھاڑ کر لے جائیں گے۔“

تو اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے خوش نصیب کون لوگ ہیں اور ان کے اندر کون سی علامات پائی جاتی ہیں؟ کہ ہم بھی ان عادات و خصائل کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کی جنتوں کے مستحق بن جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوقُونَ بِاللَّيْلِ وَيَخْلَفُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعَمُونَ

الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ

اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا

عَبُوسًا قَمَطِرًا ۝﴾ (الدھر: ۷ تا ۱۰)

”وہ اپنی نذروں کو پورا کرتے، اور اس دن سے خوف زدہ رہتے ہیں جس کی

برائی پھیلی ہوئی ہے۔ اور اللہ کی محبت کے (حصول) کے لیے مسکینوں، یتیموں

اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ بے شک ہم تمہیں صرف اور

صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں۔ اور تم سے کسی قسم کی جزایا

شکر گزاری نہیں چاہتے۔ بیشک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو

انتہائی پر مشقت اور سخت ہے۔“

ان آیاتِ کریمہ میں رب العالمین نے نیک اور صالحین لوگوں کی جملہ صفات بیان کرتے ہوئے دو صفات یہ بھی بیان کی ہیں کہ وہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے وقت اللہ کے خوف اور خشیت الہی کو مد نظر رکھتے ہیں۔

نتیجہ بحث: بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ کا مقصد بھی جملہ عبادات کی طرح اپنے دلوں میں رب العالمین کا ڈر اور تقویٰ اپنے دلوں میں جاگزیں کرنا ہے۔
۴۔ حج اور تقویٰ:

اللہ کی رضا کے لیے حج کرنا انتہائی عظیم عمل ہے۔ ”صحیح بخاری“ میں امام بخاری رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ سے حج مبرور کی فضیلت یوں بیان فرماتے ہیں:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرُفْثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.)) ①

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے حج کیا، پھر اس میں کوئی بے ہودہ بات یا اپنی بیوی سے جماع نہ کیا، اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کیا، تو وہ اس دن کی طرح لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا یعنی گناہوں سے پاک ہو کر۔“

اس عظیم عبادت کے بارے میں بھی اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴾

(البقرة: ۱۹۷)

”اور زادِ راہ اختیار کرو، یاد رکھو! بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرو۔“

امام رازی رحمہ اللہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((أَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ فَفِيهِ قَوْلَانِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّ الْمُرَادَ، وَتَزَوَّدُوا مِنَ التَّقْوَى، وَالِدَلِيلُ عَلَيْهِ قَوْلُهُ بَعْدَ ذَلِكَ ﴿فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ وَتَحْقِيقُ الْكَلَامِ فِيهِ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ سَفَرَانِ:

۱- سَفَرُ فِي الدُّنْيَا ۲- وَسَفَرٌ مِنَ الدُّنْيَا

(۱)..... فَالسَّفَرُ فِي الدُّنْيَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْ زَادٍ، وَهُوَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ، وَالْمَرْكَبُ وَالْمَالُ.

(۲)..... وَالسَّفَرُ مِنَ الدُّنْيَا لَا بُدَّ فِيهِ أَيْضًا مِنْ زَادٍ وَهُوَ مَعْرِفَةُ اللَّهِ وَمَحَبَّتُهُ وَالْإِعْرَاضُ عَمَّا سِوَاهُ، وَهَذَا لَزَا دُخِيرُهُ مِنَ الزَّادِ الْأَوَّلِ لِيُوجِبَ.

الْأَوَّلُ إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُخْلِصُكَ مِنْ عَذَابٍ مُوهُومٍ، وَزَادَ الْآخِرَةِ يُخْلِصُكَ مِنْ عَذَابٍ مُتَيَقِّنٍ.

وَتَأْنِيهَا إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُخْلِصُكَ مِنْ عَذَابٍ مُنْقَطِعٍ وَزَادَ الْآخِرَةِ يُخْلِصُكَ مِنْ عَذَابٍ دَائِمٍ.

وَتَأْنِيهَا إِنَّ الدُّنْيَا يُوصِلُكَ إِلَى لَذَّةٍ مَمْرُوجَةٍ بِالْآلَامِ وَالْإِسْتِقَامِ وَالْبَلِيَّاتِ وَزَادَ الْآخِرَةِ يُوصِلُكَ إِلَى لَذَاتٍ بَاقِيَةٍ خَالِصَةٍ عَنْ شَوَائِبِ الْمُضَرَّةِ، آمِنَةٌ مِنَ الْإِنْقِطَاعِ وَالزَّوَالِ.

وَرَابِعُهَا إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا وَهِيَ كُلُّ سَاعَةٍ فِي الْأَذْبَارِ وَالْإِنْقِضَاءِ وَزَادَ الْآخِرَةِ يُوصِلُكَ إِلَى الْآخِرَةِ وَهِيَ كُلُّ سَاعَةٍ فِي الْإِقْبَالِ وَالْقُرْبِ وَالْوُصُولِ.

وَخَامِسُهَا إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُوصِلُكَ إِلَى مَنْصَبَةِ الشَّهْوَةِ

وَالنَّفْسِ وَزَادُ الْآخِرَةَ يُوصِّلُكَ إِلَىٰ عَتَبَةِ الْجَلَالِ وَالْقُدْسِ ، فَتَبْتَ
بِمَجْمُوعِ مَا ذَكَّرْنَا إِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ .)) ❶

”آیت کریمہ ﴿ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ﴾ کی تفسیر میں دو قول ہیں:
پہلا قول: اس سے مراد یہ ہے کہ تقویٰ کو اپنا زادِ راہ بناؤ۔ جس کی دلیل آیت کا
بعد والا حصہ ہے، یعنی ﴿ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ﴾

اور صحیح بات یہی ہے کہ انسان دو قسم کے سفروں کا مسافر ہے:

۱۔ وہ سفر جو دنیا میں (ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے) کرتا ہے۔

۲۔ وہ سفر جو دنیا سے آخرت کی طرف طے کرتا ہے۔

تو دنیاوی سفر کے لیے بھی زادِ راہ اور مال و متاع کا ہونا ضروری ہے، اور آخرت
کے سفر کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے۔

تو دنیاوی سفر کا زادِ راہ کھانے، پینے، سواری اور مال و دولت وغیرہ پر مشتمل ہوتا
ہے، لیکن آخرت کا سفر اپنے (خالق حقیقی) اللہ تعالیٰ کی پہچان، اور اس کی محبت،
جب کہ اس کے علاوہ (غیر اللہ کی محبت) سے روگردانی پر مشتمل ہے۔

تو سفر آخرت کا زادِ راہ اخروی سفر کے مقابلے میں (مندرجہ ذیل) وجوہات کی بنا
پر بہتر (اور ضروری) ہے:

(۱)..... دنیاوی سفر کا زادِ راہ پیش آمدہ مشکلات سے بچانے کا سبب ہے، اس
کے مقابلے میں آخرت کا سفر ایسی مصائب و آلام سے بچانے کا پیش خیمہ ہے
جن کا انسان سے واسطہ پڑنا یقینی بات ہے۔

(۲)..... دنیاوی سفر کا زادِ راہ تو مصائب و آلام کے ایک ختم ہو جانے والے سلسلے
سے نجات کا باعث ہے، لیکن اخروی سفر کا زادِ راہ عذاب و مشکلات کے ایک

دائمی سلسلے سے حفاظت کا ضامن ہے۔

(۳)..... دنیاوی سفر کا زائر راہ ایسی (عارضی) لذات کا مضمّن ہے، جن کے ساتھ مصائب و آلام اور بیماریوں کا ہونا بھی ایک فطری چیز ہے، لیکن آخرت کا زائر راہ ہمیشہ باقی رہنے والا، اور ہر قسم کی مضر چیزوں سے خلاصی دینے والا ہے۔

(۴)..... دنیاوی زائر راہ (ایک محدود مدت تک کے لیے ہے) جس کا جدا ہو جانا بھی ممکن ہے، اور وہ آنے جانے والی چیز ہے جب کہ آخرت کا زائر راہ ہمیشہ کے لیے قریب رہنے والا اور جدا نہ ہونے والا ہے۔

(۵)..... دنیا کا زائر راہ شہوت نفسانی کی رغبت پر اُکسانے والا ہے جب کہ آخرت کا زائر راہ (دل کے اندر) رب ذوالجلال والقدوس کی سزا کا خدشہ پیدا کرنے والا ہے۔

ان توضیحات سے ثابت ہوتا ہے کہ بہترین زائر راہ تقویٰ ہی ہے۔“

امام رازی رحمہ اللہ کے اس قول کی مزید تائید مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

﴿يَبْنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِيْ سَوَاطِيْكُمْ وَرِيْشًا ط
وَلِبَاسَ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ط ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ
يَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (الاعراف: ۲۶)

”اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے اوپر ایسا لباس اُتارا ہے، جو تمہاری شرم گاہیں چھپاتا ہے، اور زیب و زینت کے لیے بھی لباس اُتارا، لیکن بہترین لباس تقویٰ ہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وَقَوْلُهُ ﴿فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ لَمَّا أَمَرَهُمْ بِالزَّادِ لِلسَّفَرِ فِي الدُّنْيَا أَرَادَ أَنَّهُمْ إِلَى زَادِ الْآخِرَةِ وَهُوَ اسْتِصْحَابُ التَّقْوَى إِلَيْهَا

كَمَا قَالَ: ﴿وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ لِّمَا ذَكَرَ اللَّیْبَاسُ الْحَمِیْسَى فِیْهِ مُرْشِدًا اِلٰی اللَّیْبَاسِ الْمَعْنَوِیِّ وَهُوَ الْخَشُوْعُ وَالطَّاعَةُ وَالتَّقْوٰی وَذَكَرَ اَنَّهُ خَيْرٌ مِنْ هٰذَا وَانْفَعُ. ❶

”اللہ تعالیٰ نے (حجاج کرام کو) جہاں سفر حج کے لیے زادِ راہ کا حکم دیا تو ساتھ ہی سفر آخرت کے زادِ راہ کی طرف بھی راہنمائی فرمادی۔ جو کہ لزومِ تقویٰ ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ اس میں بھی جہاں ظاہری لباس کا تذکرہ کیا، وہاں ساتھ مصنوعی لباس کی طرف بھی راہنمائی فرمائی، جو خشوع و خضوع، اطاعت اور تقویٰ ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ بہترین اور نفع مند (لباس) یہی ہے۔“

آیت ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی﴾ کا شانِ نزول:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَ أَنَسُ يَخْرُجُونَ مِنْ أَهْلِيهِمْ لَيْسَتْ مَعَهُمْ أَزْوَادٌ يَقُولُونَ: نَحْجُ بَيْتَ اللَّهِ وَلَا يُطْعَمُنَا؟ فَقَالَ اللَّهُ: تَزَوَّدُوا مَا يَكْفِي وَجُوهَكُمْ عَنِ النَّاسِ.)) ❷

”سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ زادِ راہ لیے بغیر گھروں سے حج بیت اللہ کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کھلاتا نہیں، لیکن ہم اس کے گھر کے حج کے لیے نکلتے ہیں؟ تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تم ساتھ اتنا زادِ راہ لے لیا کرو جتنا تمہیں لوگوں سے کافی ہو جائے۔“

قابل غور!..... اللہ رب العزت نے حج جیسے عظیم عمل کے لیے بھی تقویٰ کو لازم قرار

❶ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۲۳۹/۱۔

❷ تفسیر القرآن العظیم: ۲۳۸/۱۲۔

دیا ہے، لیکن آج ہماری، مسلمانوں کی حالت کیا ہے؟ کہ حج کے لیے جاتے ہیں، مکمل انتظام و انصرام کے ساتھ گھروں سے نکلتے ہیں، چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور پھر نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی یاد ہوتا ہے کہ جو حج مبرور کرے گا، وہ نو مولود بچے کی طرح گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن کبھی ہم نے یہ سوچا کہ اس مقدس سفر کے لیے ہم جو رقم خرچ کر رہے ہیں اسے ہم نے کس طریقے سے حاصل کیا ہے؟ وہ حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہے یا حرام طریقے سے؟ اس کے حصول میں ہم نے کسی کا حق تو نہیں دبا یا؟ یا ہم نے کسی غریب، مسکین اور لاچار پر ظلم و زیادتی تو نہیں کی۔ ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے ضمیر سے سوال کریں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اللہ کا شکر ادا کیجیے، اور اگر جواب نفی میں آئے، اور مال سودی کاروبار سے حاصل شدہ ہو، حرام مال کی آمیزش ہو، یا کسی پر ظلم و زیادتی کے بعد اس مال کو حاصل کیا گیا ہو، تو یاد رکھیے! حرام کھانے والے کا حج تو دُور کی بات کوئی عبادت بھی قبول نہیں کی جاتی۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (المؤمنون: ۵۱) وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ (البقرة: ۱۷۲) ثُمَّ ذَكَرَ، الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ؟)) ۱

”لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے

جو حکم اپنے رسولوں کو دیا تھا وہی مومنین کو دیا ہے (رسولوں کو ارشاد ہے) ”اے رسولو! حلال مال کھاؤ اور نیک اعمال کرو، بے شک جو عمل تم کرتے ہو میں انہیں جاننے والا ہوں۔“ (اور ایمان والوں کو حکم ہے) کہ ”اے ایمان والو! تم حلال مال کھاؤ جو ہم نے تم کو دیا ہے۔“ پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کر کے گردوغبار سے اٹے بالوں کے ساتھ (بارگاہ رب العالمین میں) اپنے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، پینا، پہننا (سب) حرام مال سے ہے، بلکہ اس کی غذا ہی حرام ہے، تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟“

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((وَفِيهِ الْحِثُّ عَلَى الْإِنْفَاقِ مِنَ الْحَلَالِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْإِنْفَاقِ مِنْ غَيْرِهِ وَفِيهِ أَنَّ الْمَشْرُوبَ وَالْمَأْكُولَ وَالْمَلْبُوسَ وَنَحْوَ ذَلِكَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ حَلَالًا خَالِصًا لَا شُبْهَةَ فِيهِ وَإِنْ مِنْ إِرَادِ الدُّعَاءِ كَانَ أَوْلَى بِالْإِعْتِنَاءِ بِذَلِكَ مِنْ غَيْرِهِ.)) ❶

”اس حدیث میں حلال مال کو خرچ کرنے کی ترغیب، اور حرام مال خرچ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ انسان کے کھانے پینے اور لباس میں حرام کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ خالص حلال ہونا چاہیے، ایسے ہی دعا کرتے وقت سب سے پہلے اسی کا اہتمام کرنا چاہیے۔“

اب ذرا معاشرے میں غور کیجیے! کتنے ایسے لوگ ہیں جو سودی کاروبار سے حاصل شدہ مال سے صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں۔ یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی مدد بھی کرتے ہیں۔ حج وغیرہ بھی کرتے ہیں، اور پھر ظلم کی انتہا یہ کہ ایسے لوگوں کو مقام و مرتبہ بھی بہت زیادہ دیا

جاتا ہے، جو کوئی جتنا زیادہ حرام خور ہوگا، وہ محلے یا علاقے میں اتنا ہی معزز شمار ہوگا۔ حالانکہ سود کھانے والے لوگوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا واضح فرمان موجود ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، الرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ.)) ❶

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں، سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کر لے۔“

ذرا غور کیجیے! یہ عزت ہے یا لعنت ہے۔ اور پھر جس فعل کے گناہ کا ادنیٰ ترین درجہ اپنی والدہ سے نکاح کرنے کے مترادف ہے تو ذرا تصور کیجیے، باقی درجات کتنے زیادہ قبیح ہوں گے۔

سودی کا گناہ بار کرنے والوں کو سخت وعید:

ذیل کی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ ایمان کا یہی تقاضا ہے، کیونکہ سود اور ایمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ٥﴾ (البقرة: ۲۷۸)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اگر تم مومن ہو، تو باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو۔“

سود ترک نہ کرنے والوں کے لیے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ٥﴾ (البقرة: ۲۷۹)

”اور اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ

کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو گے تو اصل مال کے مالک تم ہی ہو گے۔
ظلم نہیں کرو گے، تو تم پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ حج بیت اللہ کے لیے بھی لازمی چیز تقویٰ ہے۔ جس کا حصول مالِ حلال اور خلوصِ نیت کے بغیر ممکن نہیں۔

تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا عمل ہے جس میں اہل ایمان کو اپنا مال و دولت، حتیٰ کہ اپنی جان تک اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم ہے، اور جان کی قربانی کے لیے کوئی بھی آدمی اس وقت تک آمادہ اور تیار نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے دل میں حقیقی طور پر اللہ کا خوف اور خشیت الہی پیدا نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ خشیت الہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے دل میں پیدا ہو جائے اس کے دل سے غیروں کا ڈر اور خوف ختم ہو جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ متقی آدمی جہاد فی سبیل اللہ سے بالکل گریز نہیں کرتا، جب کہ اس کے برعکس جس کے دل میں اللہ کا خوف اور ڈر نہیں ہوتا، وہ اس عظیم عمل سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمُ بِالْمُتَّقِينَ ۝ ﴾ (التوبة: ۴۴)

”نہیں آپ سے اجازت طلب کرتے وہ لوگ، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ متقین کو خوب جاننے والا ہے۔“

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا مفہوم یوں واضح فرماتے ہیں:

((شَهَادَةُ لَهُمْ بِالتَّقْوَى لِيَوْضَعَ الْمَظْهَرُ فِيهِ وَمَوْضِعُ الْمُضْمِرِ أَوْ إِرَاقَةُ جَنْسِ الْمُتَّقِينَ وَدُخُولُهُمْ فِيهِ دُخُولًا أَوَّلِيًّا وَعِدَّةٌ لَهُمْ

بِالثَّوَابِ الْجَزِيلِ .)) ❶

”یہ (جہاد میں نکلنے والوں) کے تقوے کی گواہی ہے، کیوں کہ (تقوے میں) ظاہر اور باطن دونوں موافق ہوتے ہیں یا پھر متقین کی قسم مراد ہے، جن کا اس (جہاد) میں داخل ہونا اولاً ہوتا ہے۔ اور یہ (متقین) کے لیے بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔“

آگے لکھتے ہیں:

((وَفِي ذَلِكَ تَفْسِيرٌ لِمَضْمُونِ مَا سَبَقَ كَأَنَّهُ قِيلَ: وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِأَنَّهُمْ كَذَلِكَ إِشْعَارٌ بِأَنَّ مَا صَدَرَ عَنْهُمْ مُعَلَّلٌ بِالتَّقْوَى .)) ❷

”اس میں سابقہ مضمون کا اثبات ہے۔ گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ (دلی اعتبار سے بھی) اسی طرح ہیں یعنی اپنے دعوے میں سچے ہیں اور ان کے اس فعل دلیل کو تقویٰ کی علامت قرار دیا ہے۔“

قاضی ابو محمد عبدالحق بن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((لَا تَحْتَاجُونَ إِلَى أَنْ يَسْتَأْذِنُوا فِي أَنْ يُجَاهِدُوا بَلْ عُضُونُ قَدَمًا، أَيْ فَهْمٌ، آخِرَ أَيْ لَا يَسْتَأْذِنُوا فِي التَّخَلُّفِ، ثُمَّ أَخْبَرَ بِعِلْمِهِ تَعَالَى بِالْمُتَّقِينَ وَفِي ذَلِكَ تَعْسِيرٌ لِلْمُنَافِقِينَ وَطَعْنٌ عَلَيْهِ بَيْنٌ .)) ❸

”انہیں تو جہاد سے اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے، بلکہ وہ تو آگے آگے چلنے والے لوگ ہیں۔ یعنی وہ بہتری اسی میں خیال کرتے ہیں کہ پیچھے رہنے کی اجازت ہی نہ لیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم ہونے کی بھی خبر دے دی، جو

❶ ایضاً

❷ تفسیر روح المعانی: ۱۱۰/۱۰

❸ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز المعروف بتفسیر ابن عطیہ: ۵۰۸/۶

منافقین کے لیے انتہائی باعث عار بات ہے، اور ان پر واضح ڈانٹ ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً طَوَّاعًا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ٥ ﴾ (التوبة: ۳۶)

”اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ تم سے سب مل کر لڑتے ہیں، اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔“

اس آیت کریمہ میں متقین سے مراد قتال کرنے والے مومن ہیں، جن سے اللہ رب العزت نے اپنی معیت اور نصرت و تائید کا وعدہ کیا ہے۔ علامہ سید محمود الالوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((..... ﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾ بِالْوِلَايَةِ وَالنَّصْرِ، فَاتَّقُوا لَتَفُوزُوا بِوِلَايَتِهِ وَنُصْرِهِ سُبْحَانَهُ فَهُوَ إِرْشَادٌ لَهُمْ إِلَى مَا يَنْفَعُهُمْ فِي قِتَالِهِمْ بَعْدَ أَمْرِهِمْ بِهِ وَقِيلَ: الْمُرَادُ أَنَّ اللَّهَ مَعَكُمْ بِالنَّصْرِ وَالْإِمْدَادِ فِيمَا تَبَايَرْتُمْ مِنْ الْقِتَالِ وَإِنَّمَا وَضَعَ الْمُظْهِرَ مَوْضِعَ الْمُضْمِرِ مَذْحَاحًا لَهُمْ بِالتَّقْوَى وَحَثًّا لِلْقَاصِرِينَ عَلَى ذَلِكَ وَإِنْدَانًا بِأَنَّهُ الْمَدَارُ فِي النَّصْرِ، وَقِيلَ: هِيَ بَشَارَةٌ وَضْمَانٌ لَهُمْ بِالنُّصْرَةِ بِسَبَبِ تَقْوَاهُمْ كَمَا يُشْعِرُ بِذَلِكَ التَّعْلِيلُ بِالْمُشْتَقِّ، وَمَا ذَكَرْنَاهُ نَحْنُ لَا يَخْلُوا عَنْ حَسَنِ إِلَّا أَنَّ الْأَمْرَ بِالتَّقْوَى فِيهِ أَعَمُّ مِنَ الْأَحْدَاثِ وَالذَّوَامِ وَمِثْلُهُ كَثِيرٌ فِي الْكَلَامِ.)) ❶

”اس آیت میں معیت سے مراد تائید و نصرت ہے، پس اس کی تائید و نصرت سے سرفراز ہونے کے لیے تقویٰ اختیار کرو۔ قتال کے حکم کے بعد ان کی ایسی چیز کی طرف راہنمائی کی جا رہی ہے، جو ان کے لیے میدانِ قتال میں نفع مند ثابت

ہو۔ اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ میدان قتال میں پیش آنے والے حالات میں اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔“

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی مدح کرتے ہوئے، جبکہ تقویٰ سے خالی لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کے لیے ظاہر کو باطن کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور اس بات پر خبردار کرنے کے لیے کہ اللہ کی طرف سے نزول نصرت کے لیے تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے تقویٰ کے سبب ان کو نصرت کی ضمانت، اور خوش خبری دی گئی ہے، جیسا کہ سیاق کلام سے واضح ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں ہے، جس کے ساتھ لزوم تقویٰ کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ جس کی مثالیں کلام اللہ میں کثرت سے موجود ہیں۔

(واللہ اعلم بالصواب)



تقویٰ اور صبر

قارئین کرام! جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں یہ بیان کر آئے ہیں کہ ہر نیک عمل کے ساتھ تقویٰ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، جیسا کہ علامہ سید محمود الالوسی رحمہ اللہ کا کلام بھی پہلے گزر چکا ہے ”کہ کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم نہ دیا گیا ہو، جس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔“

اب ہم اپنے عنوان کی طرف آتے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر تقویٰ اور صبر کے بارے میں مختصری گفتگو کرنا مقصود ہے:

صبر کا لغوی معنی:

ابو الحسن احمد بن فارس بن زکریا اللغوی (المتوفی ۳۹۵ھ) صبر کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

((صَبَرْتُ نَفْسِي عَلَىٰ ذَٰلِكَ أَيْ حَبَسْتُهَا وَأَصْلُ الصَّبْرِ:

الْحَبْسُ))^①

”صَبَرْتُ نَفْسِي عَلَىٰ ذَٰلِكَ“ کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو

روک رکھا، اور اصل میں صبر رکنے کو کہتے ہیں۔“

یعنی کسی بھی چیز سے رُک جانے کا نام صبر ہے۔ علامہ سید محمود الالوسی رحمہ اللہ صبر کا معنی

بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((..... (الصَّبْرُ) حَبْسُ النَّفْسِ عَلَىٰ مَا تَكْرَهُ.))^②

① محمل اللغة، ص: ۵۴۹.

② روح المعانی: ۲/۲۴۸

”نا پسندیدہ کام پر نفس کو روکنے کا نام صبر ہے۔“

صبر کی شرعی تعریف:

امام رازی رحمہ اللہ صبر کی شرعی تعریف یوں تحریر فرماتے ہیں:

((أَمَّا الصَّبْرُ فَهُوَ قَهْرُ النَّفْسِ عَلَى إِحْتِمَالِ الْمَكَارِهِ فِي ذَاتِ

اللَّهِ تَعَالَى تَوَاطُّبِهَا عَلَى تَحْمِلِ مُشَاقِّ وَتَجَنُّبِ الْجَزَعِ .)) ❶

”اللہ کی رضا کے لیے اپنے نفس کو (نفس پر) ناگوار گزرنے والے امور پر آمادہ

کرنے، پر مشقت امور کی ترغیب دینے اور جزع (بے صبری) سے رُک جانے

کا نام صبر ہے۔“

اللہ رب العزت نے قرآن میں صبر والے لوگوں کو ہی متعین کہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ط أُولَٰئِكَ

الَّذِينَ ط صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ٥ ﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

”صبر کرنے والے تکلیف، سختی اور (میدان) قتال میں، یہی لوگ ہیں، جنہوں

نے سچی بات کی، اور یہی لوگ تقویٰ والے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں صبر کرنے کے لیے انتہائی اہم امور کو بیان کیا گیا ہے۔ جن سے

باقی امور میں صبر کرنے کی توثیق ہوتی ہے، بلکہ کہنا تو یوں چاہیے کہ اجمالی طور پر مقامات صبر کو

بیان کر دیا گیا ہے، کیونکہ صبر کا معنی ہی ناگوار امور پر جیسے رہنا ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمود

آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((..... وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ ﴾ نَصَبٌ عَلَى الْمَذْحِ

بِتَقْدِيرِ . أَحْصَى أَمَدَ ، وَغَيْرُ سَبْكٍ عَمَّا قَبْلَهُ تَنْبِيْهَا عَلَى

فَضِيلَةِ الصَّبْرِ وَمَزِيَّتِهِ عَلَى سَائِرِ الْأَعْمَالِ حَتَّى كَأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ

جَنَسِ الْأَوَّلِ .)) ❶

”لفظ (الصَّابِرِينَ) ”اَخْصَى“ (اس نے خاص کیا) یا امدح (اس نے مدح و تعریف کی) ان دونوں لفظوں کے مقدر ہونے کی وجہ سے مدح کی بناء پر منصوب ہے۔ اور اس جملے کو، مبر کی فضیلت بیان کرنے اور تمام اعمال سے جدا گانہ حیثیت کی بناء پر گزشتہ کلام سے جدا کیا ہے۔“

اقسام صبر:

سلف صالحین سے مختلف احوال میں مبر کی مختلف اقسام منقول ہیں، جو سب اپنی اپنی جگہ اپنا مقام اور حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی (المتوفی ۳۵۴ھ) مبر کی اقسام بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((الصَّبْرُ عَلَى فُرُوبِ ثَلَاثَةٍ، فَالصَّبْرُ عَنِ الْمَعَاصِي،
وَالصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْمَصَائِبِ)) ❷

”مبر کی تین اقسام ہیں:

- (۱) گناہوں (سے بچنے کے لیے پیش آنے والی مشکلات) پر صبر کرنا۔
- (۲) نیکی (کے کام کرنے کے لیے پیش آمدہ مشکلات) پر صبر کرنا۔
- (۳) (روز مرہ کے معاملات میں) آنے والے مصائب و پریشانیوں پر صبر کرنا۔“

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ مبر کی اقسام درج فرماتے ہیں:

((اِعْلَمَنَّ أَنَّ الصَّبْرَ ضَرْبَانِ أَحَدُهُمَا بَدْنِي، كَتَحْمِلِ الْمَشَاقِّ بِالْبَدَنِ، وَالثَّبَاتُ عَلَيْهِ، وَهُوَ إِمَّا بِالْفِعْلِ كَتَعَاطِي الْأَعْمَالِ

❶ روح المعانی: ۴۷/۲.

❷ روضة العقلاء ونزهة الفضلاء، ص: ۲۷۵.

الشَّاقَّةُ أَوْ بِالإِخْتِمَالِ كَالصَّبْرِ عَلَى الضَّرْبِ الشَّدِيدِ، وَالْأَلَمِ الْعَظِيمِ، وَالثَّانِي: هُوَ الصَّبْرُ النَّفْسَانِي وَهُوَ مَنَعَ النَّفْسِ عَنْ مُقْتَضِيَاتِ الشَّهْوَةِ وَمُسْتَهْيَاتِ الطَّبْعِ. ((۱

”یاد رکھو! صبر کی دو قسمیں ہیں:

(۱)..... بدنی..... مثلاً بدن سے مشقت والے معاملات برداشت کرنا، اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا۔ اور پھر یہ تو یا فعلی ہوگا جیسے مشکل معاملات کو سرانجام دینا یا احتمالی ہوگا جیسے متوقع شدائد و آلام پر عزم صبر کرنا۔

(۲)..... وہ نفسانی صبر ہے جو طبع پسند اور خواہشات کی پسندیدہ چیزوں سے نفس کو روکنے کا نام ہے۔“

((ثُمَّ هَذَا الصَّبْرُ إِنْ كَانَ صَبْرًا عَنْ شَهْوَةِ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ سُجَّى عِفَّةً.)) ۲

”اگر پیٹ یا شرم گاہ کی خواہشات پر صبر کیا جائے، تو اس کو عفت (پاکدامنی) کہتے ہیں۔“

اسی طرح امام رازی رحمہ اللہ نے مختلف معاملات میں صبر کرنے کے مختلف نام ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

((وَقَدْ جَمَعَ اللَّهُ تَعَالَى أَقْسَامَ ذَلِكَ وَسَمَّى الْكُلَّ صَبْرًا، فَقَالَ: ﴿ الصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ ﴾ أَيْ الْمُصِيبَةِ ﴿ وَالضَّرَاءِ ﴾ أَيْ الْفَقْرِ ﴿ وَحِينَ الْبَأْسِ ﴾ أَيْ الْمُحَارَبَةِ.)) ۳

① تفسیر الکبیر للرازی: ۱۰۱/۴

② تفسیر الکبیر للرازی: ۱۰۱/۴

③ تفسیر الکبیر للرازی: ۱۰۲/۴

”اللہ تعالیٰ نے ان تمام اقسام کو جمع کر کے ان سب کا (ایک جامع) نام صبر رکھ دیا ہے، اور فرمایا: ﴿الصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ﴾ یعنی مصائب میں صبر کرنے والے اور ﴿وَالصَّرَّاءِ﴾ یعنی تنگ دستی میں صبر کرنے والے ﴿وَجِنِّ الْبَأْسِ﴾ یعنی جنگ میں صبر کرنے والے۔“

مزید وضاحت کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مکروہ چیزوں پر صبر کرنے کے جو مختلف نام امام رازی رحمہ اللہ نے تحریر فرمائے ہیں، انہیں بھی زینت قرطاس بنایا جائے۔ لہذا امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ (جس کا ترجمہ یہ ہے):

”مکروہات کے مختلف ہونے کے اعتبار سے ان پر صبر کرنے کے نام بھی مختلف ہیں۔ عام طور پر آنے والے مصائب میں اس کا صبر ہی ہے جس کا متضاد (جزع اور بلع) یعنی شور شرابا کرنا ہے۔ اور یہ (جزع، بلع) خواہشات کے پیروکار آدمی کا آوازیں بلند کرنے، (شور شرابا کرنے) رخسار پیٹنے، اور سینہ کو بئی کرنے کو کہتے ہیں، اور اگر صبر حالت غنا (وافر مال) میں کیا جائے، تو اسے ”ضبط نفس“ کہتے ہیں اور جنگ اور لڑائی کی حالت میں صبر کو شجاعت (بہادری) سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا الٹ جبن (بزدلی) ہے۔ اور غیظ و غضب کی حالت میں صبر کیا جائے تو اسے حلم (بربادوری) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس کا متضاد نزق (طیش میں آنا) ہے اور حوادث زمانہ پر کیے جانے والے صبر کو ”سبح الصدر“ (کشادہ دلی وسعت ظرفی) کہتے ہیں جس کا الٹ ”ضجر“ (کم دلی) ندم (پشیمانی) اور ضیق الصدر (تنگ دلی) ہے۔ اور کسی (تکلیف دہ) بات کو (دل میں) چھپائے رکھنے کو ”کتمان النفس“ کہتے ہیں، اور ایسا کرنے والے کو ”مکثوم“ کہتے ہیں۔ اور اگر فضول عیش و عشرت کی زندگی سے صبر کیا جائے، تو اسے ”زہد“ کہتے ہیں اور اس کا متضاد حرص (لاچ کرنا) ہے۔ اسی طرح کم مال پر گذر بسر کرنے کو

”قناعت“ کہتے ہیں جس کا متضاد شرہ (حرص کرنا) ہے۔“ ❶

قارئین کرام غور کیجیے! رب العالمین نے تمام قسم کے مصائب و شدائد کو یکجا کر دیا، پھر ان تمام اقسام کے واقع ہونے پر کنٹرول کرنے کا نام صبر رکھ دیا، اور صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اکثر نیک اعمال کا اجر مقرر کر دیا ہے، لیکن صبر کا کوئی اجر مقرر نہیں کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِ اللّٰهِ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ط لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعٰهُ ط اِنَّمَا يُؤَفِّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (الزمر: ۱۰)

”(اے نبی اکرم ﷺ) فرمادیں کہ اے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرو، ان لوگوں کے لیے بھلائی (اچھا صبر) ہے، جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی، اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب دیا جائے گا۔“

امام اوزاعی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((لَيْسَ يُوزَنُ لَهُمْ وَلَا يُكَالُ لَهُمْ لَا يُغْرَفُ لَهُمْ غُرْفًا.)) ❷

”ان کے اجر و ثواب کو ناپا تو لا نہیں جائے گا، بلکہ (بغیر حساب) کھلا اجر دیا جائے گا۔“

اسی طرح روزہ جو سراپا صبر ہے جس میں انسان بھوک، پیاس اور شہوات نفسانی سے اپنے آپ کو ہر حالت میں کنٹرول میں رکھتا ہے، اس کے بارے میں حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

❶ تفسیر الکبیر للرازی: ۱۵۲/۴.

❷ تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر الدمشقی: ۴/۸۸ ط: مصر.

((كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ)) •
 ”آدمی کا ہر عمل اسی کے لیے ہے، لیکن روزہ میرے لیے ہے، اور میں ہی اس کا
 اجر دوں گا۔“

وسعت صبر:

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ رب العزت نے مصائب و شدائد کی تمام اقسام کو
 یکجا کر کے ان کے مجموعے کا نام صبر رکھ دیا ہے، لیکن اگر بنظر غائر قرآن کریم کا مطالعہ کیا
 جائے، تو تمام کے تمام اعمال صالحہ کو بجالانا، اعمال سیئہ سے اجتناب کرنا، اور تقدیر الہی کو دل و
 جان سے قبول کرنا، یہ تمام چیزیں جزوی طور پر صبر کو شامل ہیں۔ چنانچہ امام ابن قیم
 الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فَالصَّبْرُ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَأْمُورِ وَالْمَحْظُورِ وَالْمَقْدُورِ بِالْخَلْقِ
 وَالْأَمْرِ، وَالشَّيْخُ دَائِمًا، يَحُومُ حَوْلَ هَذِهِ الْأُصُولِ الثَّلَاثَةِ،
 لِقَوْلِهِ يَا بَنِي آدَمَ افْعَلْ إِنَّمَا مَأْمُورٌ وَاجْتَنِبِ الْمَحْظُورَ وَالصَّبْرُ عَلَى
 الْمَقْدُورِ.)) •

”صبر اوامر، نواہی اور ہر قسم کی تقدیر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور استاد (کی
 وصیت اپنے شاگرد کے حق میں) ان تینوں اصول کے گرد گھومتی ہے، مثلاً استاد
 (اپنے شاگرد سے) کہتا ہے، بیٹا! احکام کو بجالاؤ، نواہی سے اجتناب کرو اور
 تقدیر پر صبر کرو۔“

اور یہی وہ تین چیزیں ہیں جن کا حکم سیدنا لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دیا تھا۔ ارشاد
 باری تعالیٰ ہے:

① صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب هل يقول اني صائم اذا شئتم، رقم: ۱۸۹۴.

② عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين، ص: ۲۴، ط: مكتبة ابن القيم ومكتبة المتنبي، القاهرة.

﴿يُنَسِّ اِقَمَ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ
عَلٰى مَا اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزَمِ الْاُمُورِ ۝﴾ (لقمان: ۱۷)
”اے بیٹے! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، برائی سے روک اور (اس راستے میں)
جو مصیبت آئے اس پر صبر کر۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صبر ایک ایسی چیز ہے، جس کا اجر مقرر نہیں ہے، بلکہ اس کا اجر بغیر
حساب ہوگا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يُؤَفِّى الصَّابِرُونَ مِنْ اَجْرِهِمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾

(الزمر: ۱۰)

”یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔“

صبر ایک ایسی چیز ہے جو تمام اسلامی عبادات، منکرات، مخطورات، مامورات کا
مجموعہ ہے۔

عبادات کرنے میں محنت صرف ہوتی ہے، مشقت اٹھانا پڑتی ہے اسی لیے ان کو صبر سے
تعبیر کیا گیا، اور منکرات و مخطورات میں بھی اسی طرح محنت شاقہ ایک لازمی چیز ہے۔ لہذا اس
کو بھی صبر سے تعبیر کیا گیا، نتیجتاً احکام الہی کی پابندی کرنا اور منکرات سے اجتناب کرنا، تقویٰ
کہلاتا ہے، لہذا منطقی اعتبار سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تقویٰ اور صبر دونوں قریب کے
ساتھی ہیں۔ یعنی متقی بننے کے لیے صبر کی ضرورت ہے، اسی طرح صابر بننے کے لیے تقویٰ کا
ہونا نہایت ضروری چیز ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



تقویٰ اور ہدایت

ہدایت ایک ایسی منفرد چیز ہے، جس کا حصول تقویٰ کے بغیر ناممکن ہے۔ یعنی جس کے دل کے اندر ہدایت کی تڑپ موجود ہوگی، اور پھر اس کے حصول کے لیے کوشش بھی کرے گا، وہ اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، اس کے برعکس اگر کسی کے دل میں حصول ہدایت کی تڑپ اور لگن ہی موجود نہیں، تو قانون فطرت ہے کہ ایسے انسان کی کایا بھی نہیں پلٹ سکتی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ (الرعد: ۱۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے (دلوں کی) حالت تبدیل نہ کر لیں۔“

اسی آیت کے ترجمے کو علامہ اقبال نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

خدا نے کبھی اُس قوم کی حالت کو نہیں بدلا

نہ ہو خیال جسے خود اپنی حالت بدلنے کا

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں بار بار کبھی:

﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ کے الفاظ سے،

کہیں ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ کے انداز سے،

اور کہیں ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ کے طرزِ بیان سے سمجھایا ہے۔

یعنی ظلم کرنے والے، فاسق و فاجر اور کافر جب تک اپنے دل کی دنیا کو تبدیل نہیں کر لیتے اس

وقت تک ان کو ہدایت سے روشناس نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برعکس جو آدمی قلب تقویٰ لے کر آئے گا، صراطِ مستقیم پر چلنے کی تربت لے کر آئے گا، قلب سلیم یعنی تعصب و تقلید سے صاف دماغ لے کر آئے گا، تو اس کے لیے رب العالمین راستے کھولتے چلے جائیں گے، اس کا اٹھنے والا ہر قدم پہلے سے اہم ہوتا چلا جائے گا۔ پھر ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب رب العالمین اس کو ہدایت اور صراطِ مستقیم کی دولت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلَا تَمْنَعْنِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

تَهْتَدُونَ ۝ ﴾ (البقرہ: ۱۵۰)

”پس تم ان سے مت ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو! تاکہ میں تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دوں اور شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔“
امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَهَذِهِ الْآيَةُ تَذُلُّ عَلَى أَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمَرْءِ فِي كُلِّ أَعْمَالِهِ وَتُرُوكِهِ أَنْ يَنْصِبَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، خَشْيَةَ عِقَابِ اللَّهِ وَأَنْ يَعْلَمَ أَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ الْخَلْقِ شَيْءٌ أَبْتَدَأَ وَأَنْ لَا يَكُونُ مُشْتَغِلُ الْقَلْبِ بِهِمْ وَلَا مُلْتَفِتُ الْخَاطِرِ إِلَيْهِمْ.)) ۱

”یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آدمی پر اس کے تمام افعال کے بجالانے اور نواہی سے باز رہنے کے وقت اپنی آنکھوں کے سامنے عقابِ الہی کے خوف کو نصب کر لے، اور یقین کر لے کہ مخلوق کے ہاتھوں میں کوئی اختیار نہیں ہے، اور لوگوں کی طرف دیکھ کر پریشان نہ ہو اور نہ ہی انہیں کسی خاطر میں لائے۔“

جب تک انسان افعال کے بجالانے اور نواہی سے باز رہنے کے وقت خشیتِ الہی کو مد نظر نہیں رکھتا، بلکہ اس کے برعکس اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، ایسے لوگوں کے دلوں پر رب العالمین کی جانب سے مہر لگ جاتی ہے، جو کلامِ ہدایت کو سنتے تو ہیں، لیکن

اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ ۖ إِنَّهَا أُوتِيكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۝﴾ (محمد: ۱۶)

”اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کے ارشادات کو غور سے سنتے ہیں، حتیٰ کہ جب وہ آپ کی مجلس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جو علم دیے گئے، کہتے ہیں کہ ابھی ابھی آپ نے کیا فرمایا ہے؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ رب العزت نے مہر لگا دی ہے۔ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ جنہوں نے فرامین رسول ﷺ کو اپنے کانوں سے سنا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی نفسیاتی خواہشات کو فرامین رسول ﷺ پر مقدم رکھا، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، جس وجہ سے وہ صراطِ مستقیم کی لازوال دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ علامہ حازن رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۱ھ) اس آیت کریمہ کے مفہوم کو یوں واضح فرماتے ہیں:

((وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ لَمَّا تَرَكُوا اتِّبَاعَ الْحَقِّ أَمَاتَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلَمْ

تَفْهَمُوا وَلَمْ تَعْقِلْ فَعِنْدَ ذَلِكَ اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ فِي الْبَاطِلِ .)) •

”جب انہوں نے اتباعِ حق کو ترک کر دیا، تو اللہ رب العزت نے ان کے دلوں

کو مردہ کر دیا، جس وجہ سے وہ حق بات کو نہ سمجھ سکے، تو انہوں نے اُمورِ باطلہ میں

اپنی خواہشات کی اتباع کی۔“

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے! اس آیت کریمہ میں (يَسْتَمِعُ) کے الفاظ کو استعمال کیا

گیا ہے جو باب ”اِسْتَفْعَالَ“ سے مشتق ہے، اور اس میں طلب اور تکلف کے معنی پائے

جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پر تکلف انداز سے کلامِ مصطفیٰ ﷺ کو سنا، لیکن ان کی مرضی اور منشا کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں نے آوازِ حق کو تسلیم کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا، بلکہ بطورِ استہزاء و مذاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کرنے لگے کہ ﴿مَاذَا قَالَ آيُّهَا﴾ نبی اکرم ﷺ نے ابھی ابھی کیا ارشاد فرمایا ہے؟

ان کے اسی رویے کی بناء پر اللہ رب العزت نے ان کے دلوں کو مردہ بنا دیا، جس وجہ سے وہ حق بات سننے کے باوجود اسے تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔

اس کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے نبی رحمت ﷺ کی بات کو سن کر اپنانے کی کوشش کی تو اللہ رب العزت نے انہیں ان کی کوشش میں کامیاب فرما دیا، اور نہ صرف راہِ ہدایت پر چلنے میں ان کے سینوں کو کھول دیا، بلکہ ان کے دلوں میں تقویٰ اور خوفِ الہی بھی پیدا فرما دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ (محمد: ۱۷)

”اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت حاصل کی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا، اور انہیں ان کا تقویٰ بھی عطا فرما دیا۔“

امام ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((أَيُّ وَالَّذِينَ قَصَدُوا الْهِدَايَةَ وَفَقَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى لَهَا فَهَدَاهُمْ إِلَيْهَا وَبَيَّنَّهُمْ عَلَيْهَا وَزَادَهُمْ مِنْهَا.)) ❶

”جن لوگوں نے ہدایت کا قصد کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر ثابت قدم رکھا، اور ان کو اور زیادہ ہدایت عطا فرمادی۔“

علامہ خازن رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے مفہوم کو یوں واضح فرماتے ہیں:

((يَعْنِي أَنَّهُمْ كُلَّمَا سَمِعُوا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِمَّا جَاءَ بِهِ عَنِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ آمَنُوا بِمَا سَمِعُوا مِنْهُ وَصَدَّقُوهُ فَيَزِيدُهُمْ ذَلِكَ

هُدًى مَعَ هِدَايَتِهِمْ وَإِيمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ .)) ۱

”یعنی جب انہوں نے زبانِ نبوت سے وحی الہی کو سن لیا، تو سننے کے بعد (فوراً) اس پر ایمان لے آئے، اور اس کی تصدیق کر دی تو (اس کے نتیجے میں) اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو ہدایت کے ساتھ اور ایمان کو ایمان کے ساتھ بڑھا دیا۔“

محترم قارئین کرام! علامہ علاء الدین خازن رحمہ اللہ کی اس وضاحت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ:

○ حصولِ ہدایت کے لیے وحی الہی کی تصدیق کرنا انتہائی ضروری ہے۔ (جس میں حدیث رسول ﷺ بھی شامل ہے)

○ حصولِ تقویٰ کے لیے ہدایت کا ہونا ضروری ہے۔

○ ہدایت دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

سوال: یہاں پر ایک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ اگر ہدایت دینے والی ذات

صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو نبی اکرم ﷺ کے ہادی ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب تحریر کرنے سے پہلے ہادی کا معنی تحریر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

ہادی: یہ ”هَدًى يَهْدِي“ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے لغوی معنی ہے:

راہنمائی کرنا۔ (المجدعربی، اردو) مادہ: (ه، د، ي) هَدًى .

کسی کو بھی راہنمائی کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ ارشاد الی المطلوب ۲۔ ایصال الی المطلوب

(۱)..... ارشاد الی المطلوب: (منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرنا)

گذشتہ تمام کے تمام انبیاء علیہم السلام اور نبی اکرم ﷺ کے ہادی ہونے کا یہی مطلب

ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَهَدَايَةُ اللَّهِ لِلْإِنْسَانِ عَلَىٰ أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ
 الثَّانِي: الْهَدَايَةُ الَّتِي جُعِلَ لِلنَّاسِ بِدُعَائِهِ إِيَّاهُمْ عَلَى السَّنَةِ
 الْأَنْبِيَاءِ وَانْزَالِ الْقُرْآنِ وَنَحْوِ ذَلِكَ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى
 وَجَعَلْنَاهُمْ أَيْمَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا))

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی ہدایت چار صورتوں میں ہے:

(مذکورہ چار اقسام میں سے) دوسری قسم انبیاء علیہم السلام کی زبان کے ذریعے اور نزول
 قرآن کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف مدعو کرنے کے لیے، اور اس فرمان الہی سے
 بھی ہدایت والی آیت کریمہ: ﴿ وَجَعَلْنَاهُمْ ﴾ اور ہم نے انہیں صبر کرنے کی وجہ
 سے اپنے احکام کی طرف رہنمائی کرنے والا بنا دیا۔“ سے بھی یہی مراد ہے۔“

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی وضاحت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی
 ہے کہ نبی اور رسول کی ذمہ داری ہدایت دینا نہیں، بلکہ راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔
 چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ
 مِنْ نَّاصِرِينَ ۝ ﴾ (النحل: ۳۷)

”اگر آپ ان کی ہدایت کی حرص رکھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کر دے اس کو
 ہدایت نہیں دیتا، اور نہ ہی ان کا کوئی مددگار ہے۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((وَقَوْلُهُ ﴿ فَإِنَّ اللَّهَ ﴾ أَيْ شَأْنُهُ وَأَمْرُهُ أَنَّهُ مَا شَاءَ كَانَ، وَمَا لَمْ
 يَشَأْ لَمْ يَكُنْ فَلِهَذَا قَالَ: ﴿ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ ﴾ أَيْ مَنْ أَضَلَّهُ،
 فَمَنْ ذَٰلِكَ الَّذِي يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ؟ أَيْ لَا أَحَدٌ ﴿ وَمَا لَهُمْ مِنْ
 نَّاصِرِينَ ﴾ أَيْ يَنْقُذُونَهُمْ مِنْ عَذَابِهِ وَوِثَاقِهِ.)) ۱

”فَبِأَنَّ اللَّهَ) یعنی اس کا معاملہ اور شان یہ ہے کہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا اسی لیے فرمایا (لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ) یعنی جسے وہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، تو پھر کون ہے جو اللہ کے علاوہ ہدایت دے سکے؟ کوئی نہیں (اور نہیں کوئی ان کی مدد کرنے والا) یعنی ان کو اللہ کے عذاب اور پکڑ سے بچانے والا۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی توضیح سے آیت کریمہ کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اور کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ ہدایت عطا کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ مزید وضاحت کے لیے اس آیت کریمہ پر غور کیجیے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ٥﴾ (النحل: ۳۶)

”اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جس کا مقصد بخت یہ ہے) کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو، تو ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی، پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

((ثُمَّ أَخْبَرَ اللَّهُ تَعَالَى رَسُولَهُ ﷺ أَنَّ حِرْصَهُ عَلَى هِدَايَتِهِمْ لَا يَنْفَعُهُمْ إِذَا كَانَ اللَّهُ قَدْ أَرَادَ إِضْلَالَهُمْ.)) ۱

”اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خبردار فرمایا ہے کہ آپ کا ان کی ہدایت کی حرص رکھنا ان کے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتا، جب کہ اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی پر (قائم) رکھنا چاہتے ہیں۔“

ایک دوسرے مقام پر رب العالمین نے اس مسئلے کی وضاحت بایں الفاظ فرمائی ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ

أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝﴾ (القصص: ۵۶)

”بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے

ہدایت دیتا ہے۔ اور ہدایت چاہنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔“

اس آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سید مستب بن حزن

مخزومی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان فرماتے ہیں کہ:

”جب آپ کے چچا ابوطالب کی وفات کا وقت آیا، تو ان کے پاس رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، جبکہ ابوطالب کے پاس ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ

بن ابی، امیہ بن میسرہ کو پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابو طالب سے) کہا، چچا

جان! اپنی زبان سے ”لا الہ الا اللہ“ کہہ دو، میں اللہ کے حضور اس کلمے کو آپ

کے حق میں حجت بنا کر پیش کر دوں گا، پاس بیٹھے ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ، ہادی

عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سن کر ابوطالب سے کہنے لگے: ابوطالب! (مرتے وقت)

آبادِ اجداد کا دین چھوڑ دو گے؟ بہر حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی وفات

سے پہلے بار بار انھیں کلمہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور ابو جہل اور عبد اللہ بن

امیہ انہیں آباء و اجداد کے دین پر قائم رہنے کے لیے کہتے، اور کلمہ توحید پڑھنے

سے اسے روکتے، یہاں تک کہ آخر کلمہ اس کی زبان سے یہی نکلا کہ میں یہ کلمہ

نہیں پڑھتا اور میں عبدالمطلب کے دین پر مرنا چاہتا ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کہنے لگے: جب تک مجھے منع نہ کیا جائے گا، میں ابوطالب کے لیے بخشش کی دعا

کرتا رہوں گا۔

اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ

كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ ﴿التوبة: ۱۱۳﴾

”کسی نبی اور اہل ایمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرے، اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہو۔“

جب کہ ابوطالب کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾

(القصص: ۵۶)

”بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے

ہدایت دیتا ہے۔“ ①

مزید برآں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

((يَقُولُ تَعَالَىٰ لِرَسُولِهِ ﷺ إِنَّكَ يَا مُحَمَّدُ ﴿لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ أَيْ لَيْسَ عَلَيْكَ ذَلِكْ، إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلَهُ الْحِكْمَةُ الْبَالِغَةُ وَالْحُجَّةُ الدَّامِغَةُ، كَمَا قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ وَقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ وَهَذِهِ الْآيَةُ أَخْصَرُّ مِنْ هَذَا كُلِّهِ فَإِنَّهُ قَالَ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ أَيْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ يَسْتَحِقُّ الْهُدَايَةَ مِمَّنْ يَسْتَحِقُّ الْغَوَايَةَ.)) ②

”اللہ تعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! (بے شک آپ جسے چاہتے ہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہدایت دینا نہیں، بلکہ تبلیغ کرنا ہے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، اور اس کے

① تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۹۴، ۳۹۵.

② تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۹۴.

لیے بلیغ حکمت اور حجت قطعہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ان لوگوں کی ہدایت آپ کے ذمے نہیں، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“ اور ارشاد ہے: ”آپ ﷺ کے حرص رکھنے کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“ اور یہ آیت ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ ان تمام آیات سے خصوصیت کی حامل ہے۔ اس میں ارشاد ہے: ”جسے آپ چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ ہدایت حاصل کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔“ یعنی وہ بہتر جانتا ہے کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون سرکش (اور گمراہی) کا حقدار؟“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

- (۱) نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری (ایصال الی المطلوب) راہ ہدایت پر گامزن کرنا نہیں، بلکہ (ارشاد الی المطلوب) صراطِ مستقیم کی تبلیغ کرنا ہے۔
- (۲) (ایصال الی المطلوب) راہ ہدایت پر گامزن کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔
- (۳) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔
- (۴) اللہ تعالیٰ کا یہ قانون (جسے چاہتا ہے ہدایت دینا اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرنا) بالکل انصاف پر مبنی ہے، کیوں کہ اللہ رب العزت انسان کی حالت و کیفیت کو خوب اچھی طرح سمجھنے والا اور عالم الغیب ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام:

- حصول ہدایت کے لیے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف لازمی جزو ہے، جس کے بغیر حصول ہدایت مشکل، بلکہ ناممکن دکھائی دیتی ہے۔
- ہدایت کی توفیق دینا اور نہ دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اختیار میں نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)



تقویٰ اور قربانی

دور جاہلیت میں مشرکین مکہ جب اپنے بتوں کے نام سے جانور ذبح کرتے، تو اس کا گوشت ان بتوں پر ڈال دیا کرتے، اور ان پر اس کا خون چھڑکتے۔ اللہ عظیم و برتر نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے نام سے ہدی یا قربانی کا جانور اس لیے قربان کرتے ہو کہ وہ تمہارا خالق و رازق ہے، اس کا خون اور گوشت اللہ کو قطعاً نہیں پہنچتا، کیونکہ وہ تو ہر چیز سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، اور وہ تو تمہاری نیت، تمہارے اخلاص اور تقویٰ کو دیکھتا ہے کہ کیا تم نے اس کی رضا اور خوشنودی کی خاطر یہ کام کیا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۚ﴾ (الحج: ۳۷)

”اللہ تعالیٰ کو نہ تو ان ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے، اور نہ ان کا خون، لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔“

قربانی کا معنی:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ قربانی کا معنی لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((وَالْقُرْبَانُ: مَا يُتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللَّهِ مَصَارِفُ التَّعَارُفِ اسْمًا لِلنَّسِيكَةِ الَّتِي هِيَ الذَّبِيحَةُ وَجَمْعُهُ، قَرَابِينَ.))

”ہر وہ عمل جو حصول قرب الہی کے لیے کیا جائے قربانی ہے۔ لیکن عرف عام میں کسی جانور کو ذبح کرنے کا نام قربانی ہے۔ اس کی جمع (قراہین) ہے۔“

قربانی کا مقصد:

جیسا کہ معنوی اعتبار سے بھی ظاہر ہے کہ ایسا عمل جو حصول قرب الہی کے لیے کیا جائے وہ قربانی ہے۔ قرآن نے قربانی کے مقصد کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ

مِنْكُمْ ط كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَيْكُمْ وَنَبِّشِرُ
الْمُحْسِنِينَ ۝ ﴿الحج: ۳۷﴾

”اللہ تعالیٰ کو ان قربانیوں کے نہ تو گوشت پہنچتے ہیں، اور نہ ہی خون، بلکہ اسے تو تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع و فرمانبردار کر دیا ہے۔ تاکہ تم اس کی رہنمائی کا شکر بجالاتے ہوئے تکبیر پڑھو، اور اے نبی! نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ ”امام مجاہد رحمہ اللہ“ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

”مسلمانوں نے بھی مشرکین کے اس فعل کی تقلید کرتے ہوئے تعظیم کعبہ اور قرب الہی کے حصول کی خاطر یہی (مشرکین والا) عمل کرنے کا ارادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔“ • مزید لکھتے ہیں:

((لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤها)) اَيَّ لَنْ يُصِيبَ رِضَا اللَّهِ تَعَالَى اللُّحُومُ الْمُتَصَدَّقُ بِهَا وَلَا الدِّمَاءُ الْمُهِرَاقَةُ بِالنَّحْرِ مِنْ حَيْثُ أَتَاهَا لُحُومٌ وَدِمَاءٌ. (وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ) وَلَكِنْ يُصِيبُهُ مَا يَصْحَبُ ذَلِكَ مِنْ تَقْوَى قُلُوبِكُمْ الَّتِي تَدْعُوكُمْ إِلَى تَعْظِيمِهِ وَالتَّقَرُّبِ لَهُ سُبْحَانَهُ وَالْإِخْلَاصُ لَهُ عَزَّ وَجَلَّ.)) •

”اللہ تعالیٰ کو ان کی قربانیوں کے نہ تو گوشت پہنچتے ہیں، اور نہ ہی خون (یعنی رضائے الہی فقط صدقہ دیئے گئے گوشت اور بہائے گئے خون سے حاصل نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ تو گوشت اور خون ہے) (لیکن اس کو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے) یعنی اسے ان کے ساتھ شامل تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے، جو تمہیں اس کی تعظیم و تقرب اور اخلاص کی دعوت دیتے ہیں۔“

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات قربانی وغیرہ اس وقت تک درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی، جب تک اس میں تقویٰ اور خوف الہی شامل نہ کیا جائے۔

تقویٰ کے فوائد و ثمرات

گذشتہ صفحات میں ہم تقویٰ کے معنی، مفہوم اور اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ تمام کی تمام عبادات کا مقصود صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ کوئی بھی عبادت، تقویٰ اور اخلاصِ نیت سے خالی ہو، وہ بارگاہِ رب العالمین میں شرفِ قبولیت سے نہیں نوازی جاتی۔

آئندہ سطور میں ہم تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے والی خیر و برکات کے بارے میں بیان کریں گے۔

چونکہ تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں نازل ہونے والی برکات کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے، لہذا ہم اپنی اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) دنیا میں تقویٰ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات۔

(۲) آخرت میں حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات۔

(۱) دنیا میں تقویٰ کے فوائد و ثمرات:

پہلا فائدہ:..... معاملات میں آسانی:

تقویٰ سے حاصل ہونے والی برکات میں سے ایک عظیم برکت یہ ہے کہ اللہ رب العزت متقی شخص کے لیے معاملات میں آسانی پیدا فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝﴾ (الطلاق : ۴)

”اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے معاملات

میں آسانی پیدا فرمادیں گے۔“

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر بایں الفاظ فرماتے ہیں:

((قَالَ عَطَاءٌ: يَسْهَلُ اللَّهُ عَلَيْهِ أَمْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.)) ❶

”عطاء نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے معاملات کو آسان فرمادیں گے۔“

بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ نیکی کے عمل کرنا اور برائی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ: دشمنوں کی کارستانیوں سے نجات:

اہل تقویٰ کے لیے انعامات الہی میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو متقین کے لیے دشمنوں کی گناہوں کی چالوں اور سازشوں سے بچنے کے لیے آلہ کار بتلایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ تَصَبَّرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ ﴾ (آل عمران: ۱۲۰)

”اور اگر تم صبر کرو، اور تقویٰ اختیار کرو تو ان (دشمنوں) کی کوئی چال تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((مَعْنَى الْآيَةِ: إِنَّ كُلَّ مَنْ صَبَرَ عَلَىٰ آدَاءِ أَوَامِرِ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَاتَّقَىٰ كُلَّ مَا نَهَىٰ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ فِي حِفْظِ اللَّهِ فَلَا يَضُرُّهُ كَيْدُ الْكَافِرِينَ وَلَا حِيلُ الْمُخْتَالِينَ.))

وَتَحْقِيقُ الْكَلَامِ فِي ذَلِكَ هُوَ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ إِنَّمَا خَلَقَ الْخَلْقَ

لِلْعُبُودِيَّةِ كَمَا قَالَ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾
 فَمَنْ وَفَى بِعَهْدِ الْعُبُودِيَّةِ فِي ذَلِكَ فَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَكْرَامُ مَنْ أَنْ لَا
 يَعْنِي بِعَهْدِ الرُّبُوبِيَّةِ فِي حِفْظِهِ عَنِ الْآفَاتِ وَالْمَخَافَاتِ، وَإِلَيْهِ
 الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ
 مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ يُوصِلُ إِلَيْهِ كُلَّ مَا يَسْرُهُ،
 وَقَالَ بَعْضُ الْحُكَمَاءِ: إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَكْتِبَ مَنْ يَحْسُدُنَا فَاجْتَهِدْ
 فِي إِكْتِسَابِ الْفَضَائِلِ .)) ❶

”مذکورہ بالا آیت کا معنی ہے کہ ہر وہ آدمی جو احکامِ الہی کی ادائیگی میں صبر کرتا
 ہے، اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی ہر چیز سے دور رہتا ہے، وہ اللہ کی حفاظت میں
 آجاتا ہے (جس کے نتیجے میں) کافروں کی کوئی چال اور حیلہ سازوں کا کوئی حیلہ
 اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور حقیقی بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے مخلوق کو
 اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (میں نے
 جنوں اور انسانوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے)، پس
 جو شخص عبادت و بندگی والے عہد کو پورا کرتا ہے، تو رب العالمین کی شان کے
 لائق نہیں کہ وہ رب ہونے کے ناطے ایسا کرنے والے کو آفات اور خوفناکیوں
 سے محفوظ نہ فرمائے۔ اس فرمانِ الہی: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝
 وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ”اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ
 اس کے لیے چھٹکارے کی کوئی راہ نکال دیتے ہیں، اور اسے ایسی جگہ سے رزق
 عطا فرماتے ہیں جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“ میں بھی اسی حقیقت کی
 طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت (اپنے بندے کو) ہر وہ چیز عطا فرماتے ہیں

جو اس کے لیے خوش کن ہو۔ اور کسی ”دانا“ کا قول ہے کہ جب حاسد (مخالف) کو زیر کرنا ہو، تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یعنی اس کے حسد پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر انداز کر دو۔“

علامہ زکھری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

((وَأَنْ تَصْبِرُوا عَلَى تَكَالُفِ الدِّينِ وَمَشَاقِقِهِ، وَتَتَّقُوا اللَّهَ فِي اجْتِنَابِكُمْ مَحَارِمَهُ كُنْتُمْ فِي كَنْفِ اللَّهِ فَلَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ)) ❶
”اور اگر تم دینی معاملات میں آنے والی سختیوں اور تکلیفوں پر صبر کرو گے۔ اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرو گے۔ تو تم اللہ کی حفاظت میں آ جاؤ گے، جس کے نتیجے میں تمہارے دشمنوں کی کوئی چال تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔“

مزید لکھتے ہیں:

((وَهَذَا تَعْلِيمٌ مِّنَ اللَّهِ، وَإِرْشَادٌ إِلَى أَنْ يُسْتَعَانَ عَلَى كَيْدِ الْعَدُوِّ بِالصَّبْرِ وَالتَّقْوَى.)) ❷

”یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس بات کی طرف تعلیم اور رہنمائی ہے کہ دشمن کی چالوں سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ کے ساتھ مدد طلب کی جائے۔“

امام ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَأَنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۖ الْآيَةُ- يَرْشُدُهُمْ تَعَالَى إِلَى السَّلَامَةِ مِنْ شَرِّ الْأَشْرَارِ، وَكَيْدِ الْفُجَّارِ بِاسْتِعْمَالِ الصَّبْرِ، وَالتَّقْوَى، وَالتَّوَكُّلِ عَلَى اللَّهِ الَّذِي مُحِيطٌ بِأَعْدَاءِهِمْ

❶ تفسیر الکشاف ۱/ ۳۴۶۔

❷ تفسیر الکشاف للزمخشری ۱/ ۳۴۶۔

فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ لَهُمْ إِلَّا بِهِ . وَهُوَ الَّذِي مَا شَاءَ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ، وَلَا يَقَعُ فِي الْوُجُودِ شَيْءٌ إِلَّا بِتَقْدِيرِهِ وَمَشِيئَتِهِ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ .))

” (اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو گے، تو تمہیں ان کی کوئی حیلہ سازی نقصان نہیں پہنچا سکے گی) اس آیت میں اللہ تعالیٰ (صبر اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو) شریروں کے شر اور فاجروں کی حیلہ بازیوں سے، صبر، تقویٰ اور اللہ رب العزت پر توکل کر کے، حفاظت کے راستے بتا رہے ہیں (وہ اللہ) جو ان کے دشمنوں کا احاطہ کرنے والا ہے، جس کے بغیر ان کا کوئی حیلہ اور طاقت نہیں ہے (اور اللہ) وہ ذات ہے کہ وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، نہیں ہوتا، جس کی منشاء اور مرضی کے بغیر دنیا میں واقعہ رونما نہیں ہوتا، جو اس پر توکل کرتا ہے وہ اس کو کافی ہو جاتا ہے۔“

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کے معنی کو یوں واضح فرماتے ہیں:

((لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا)) مِنَ الضَّرَرِ لَا كَثِيرًا وَلَا قَلِيلًا بِبَرَكَاتِ الصَّبْرِ وَالتَّقْوَى لِكُونِهِمَا مِنْ مَحَاسِنِ الطَّاعَاتِ وَمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ ، وَمَنْ تَحَلَّى بِذَلِكَ كَانَ فِي كَنْفِ اللَّهِ تَعَالَى وَحِمَايَتِهِ مِنْ أَنْ يَضُرَّهُ كَيْدُ عَدُوِّ .))

”اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ صبر اور تقویٰ کی برکت سے وہ تمہیں نہ تو کم نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور نہ زیادہ، کیوں کہ یہ بہترین اطاعت گزاری، اور اچھے اخلاق میں سے ہے۔ اور جو اپنے آپ کو ان دونوں چیزوں (صبر و تقویٰ) سے مزین و آراستہ کر لیتا ہے، تو وہ دشمن کی چالوں سے اللہ کی حفظ و امان میں آ جاتا ہے جو

اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔“ ۱

قارئین کرام غور کیجیے! اللہ رب العزت ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کر کے اس کے نتیجے میں کس قدر قیمتی انعام کا وعدہ کر رہے ہیں، لیکن ہم ہیں کہ قرآن کو پڑھتے ہی نہیں، اگر پڑھیں بھی تو اسے سمجھ کر نہیں پڑھتے، اور اگر اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھ بھی لیں تو ہمارے دماغوں پر جدت پسندی کا بھوت سوار ہو جاتا ہے، اور اللہ رب العزت کے کیے ہوئے وعدوں کو ہم افسانوں سے تعبیر کرتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت میں ہم اللہ رب العالمین کی صدق بیانی کو چیلنج کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ۝﴾ (النساء: ۸۷)

”اور اللہ رب العزت سے زیادہ سچی بات کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟“

دوسرے مقام پر او شاہِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝﴾ (النساء: ۱۲۲)

”اور اللہ رب العزت سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟“

رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حقیقی معنوں میں قرآنِ حکیم اور سنتِ مطہرہ پر ایمان لانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

تیسرا فائدہ:..... ایسی جگہ سے رزق کا ملنا جس کا انسان کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔

اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے سے انسان کو رزق وہاں سے ملنے لگ جاتا ہے کہ جہاں سے

اسے گمان بھی نہیں ہوتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

يَحْتَسِبُ ط﴾ (الطلاق: ۲-۳)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے راستہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسے

ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں کا اسے گناہ بھی نہیں ہوتا۔“

چوتھا فائدہ:..... غم والم سے نجات کا ملنا:

تقویٰ اختیار کرنے کے فوائد و ثمرات میں سے ایک عظیم فائدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت متقین کو پہنچنے والے مصائب و آلام سے نکلنے کی کوئی راہ نکال دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝﴾ (الطلاق: ۳)

”اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے راہ نجات نکال دیتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو آدمی کوئی بھی کام کرے یا کسی بھی کام سے اللہ سے ڈرتے ہوئے رکا رہے، اللہ تعالیٰ (تقویٰ کو) اس کے لیے دنیا، اور آخرت کے غموں سے نکلنے کا ذریعہ بنا دے گا، اور فائدہ عام ہونے کی نسبت سے یہی معنی زیادہ بہتر ہے۔“ ❶

یہاں پر موضوع کی مناسبت سے عین قرین قیاس ہوگا کہ ایک واقعہ سپردِ قمر طاس کر دیا جائے جو عہدِ نبوی ﷺ میں رونما ہوا تھا۔

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، میرا خیال ہے کہ وہ سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ آپ سے ہم کلام ہوئے، اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! فلاں قبیلے کے لوگوں نے اس رات ہم پر حملہ کیا ہے، جس میں وہ میرے بیٹے اور اذنوں کو لے گئے ہیں، اور سیدنا عوف رضی اللہ عنہ یہ بات بتلا کر رونے لگے۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

کہ اللہ سے دعا کرو (امید ہے کہ کوئی راہ نکل آئے)۔ (چنانچہ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ) اپنی بیوی کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ بتاؤ اللہ کے نبی ﷺ نے کیا مشورہ دیا ہے؟ تو انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو بیان فرمادی۔ چنانچہ وہ دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کے بیٹے کو اور ان کے اونٹوں سے زیادہ اونٹوں کو لوٹا دیا تو (وہ خوشی سے) نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے، اور سارا قصہ کہہ سنایا، تو آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اور حمد و ثناء کے بعد لوگوں کو اللہ سے دعا کرنے اور اس کی طرف راغب ہونے کی تلقین کی، اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ①

پانچواں فائدہ: برکات کا نزول:

تقویٰ اختیار کرنے کا ایک عظیم فائدہ رب العالمین کی جانب سے نزول برکات بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝﴾

(الاعراف: ۹۶)

”اور بے شک اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ضرور ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے، لیکن انھوں نے جھٹلایا، پس ہم نے ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑا۔“

① مستدرک حاکم: ۲/ ۲۳۸، رقم: ۲۰۳۷۔ امام حاکم رحمہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ”صحیح الاسناد“ ہے، سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۱۴۸۔ یوہری رحمہ فرماتے ہیں: اس کی سند کے راوی ثقات ہیں۔ مزید دیکھیں: دلائل النبوة، للبيهقي ۱۰۶/۶۔ والدر المنثور، للسيوطي ۲۳۳/۶ وانظر ۲۳۲ الى ۲۳۴۔

اس آیت کریمہ میں رب العالمین تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں ہر جانب سے نزولِ برکات کا وعدہ فرما رہے ہیں۔

چھٹا فائدہ: اصلاحِ اعمال:

تقویٰ کے فوائدِ عظیمہ میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت صاحبِ تقویٰ انسان کے اعمال کی اصلاح فرمادیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۚ وَاللَّهُ يُطِيعُ اللَّهُ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ، اور سیدھی بات کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ رب العزت تمہارے اعمال کی اصلاح فرمادیں گے، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، اس نے حقیقت میں بڑی کامیابی کو پالیا۔“

حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ اس کا تقویٰ اختیار کریں، اور اللہ کی ایسے آدمی کی مانند عبادت کریں جو (دورانِ عبادت) گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، اور ایسی سیدھی اور درست بات کہیں، جس میں کوئی کج روی اور انحراف نہ ہو۔ اور ایسا کرنے کی صورت میں ان کو ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ان کے اعمال کی اصلاح فرمادے گا، اور مستقبل میں ہونے والے گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف راغب فرمادے گا۔“ ❶

چنانچہ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَقِيلَ إِصْلَاحُ الْأَعْمَالِ التَّوْفِيقُ فِي الْمَجِيءِ بِهَا صَالِحَةً مَرْضِيَّةً)) ❶

”اصلاح اعمال سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت آئندہ صالح پسندیدہ اعمال کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔“

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے، تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں رب العالمین انسان کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ اور جس خوش قسمت کو اللہ رب العالمین کی طرف سے اعمال صالحہ کی توفیق مل جائے، اس سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر لقمان سلفی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال قبول کرتا ہے۔ گویا تقویٰ اختیار کرنے کا فائدہ یہ بھی ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کو شرف قبولیت بخش دیتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: حق و باطل میں تمیز:

تقویٰ اختیار کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت انسان کو حق اور باطل میں فرق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ٥﴾ (الأنفال: ۲۹)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ رب العزت تمہیں فیصلہ کرنے کی بصیرت عطا فرمائے گا، اور تمہاری خطاؤں کو مٹا کر تمہیں معاف فرمادے گا اور

اللہ تعالیٰ بہت فضل والا ہے۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((فَإِنَّ مَنِ اتَّقَى اللَّهَ بِفِعْلٍ أَوْ امْرٍه وَتَرَكَ زَوَاجِرِهِ وَفَقَّ لِمَعْرِفَةِ

الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ .)) •

”جو شخص اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے احکام کو بجالائے گا، اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں کو ترک کر دے گا۔ اس کو اللہ رب العزت حق و باطل کے پہچاننے کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔“

امام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

((قَوْلُهُ ﴿ وَيَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا ﴾ وَالْمَعْنَى أَنَّهُ تَعَالَى يُفَرِّقُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْكُفَّارِ، وَلَمَّا كَانَ اللَّفْظُ مُطْلَقًا وَجَبَ حَمْلُهُ عَلَى جَمِيعِ الْفُرُوقِ الْحَاصِلَةِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَفَّارِ، فَنَقُولُ: هَذَا الْفُرْقَانُ إِمَّا أَنْ يُعْتَبَرَ فِي أَحْوَالِ الدُّنْيَا وَفِي أَحْوَالِ الْآخِرَةِ، إِمَّا فِي أَحْوَالِ الدُّنْيَا فَإِمَّا أَنْ يُعْتَبَرَ فِي أَحْوَالِ الْقُلُوبِ وَهِيَ الْأَحْوَالُ الْبَاطِنِيَّةُ أَوْ فِي الْأَحْوَالِ الظَّاهِرَةِ، إِمَّا فِي أَحْوَالِ الْقُلُوبِ فَأُمُورٌ.

أَحَدُهَا: أَنَّهُ تَعَالَى يَخْصُصُ الْمُؤْمِنِينَ بِالْهِدَايَةِ وَالْمَعْرِفَةِ.

وَتَانِيهَا: أَنَّهُ يَخْصُصُ قُلُوبَهُمْ وَصُدُورَهُمْ بِالْإِنْشِرَاحِ كَمَا قَالَ:

﴿ أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ ﴾

وَتَالِثُهَا: أَنَّهُ يُزِيلُ الْغُلَّ وَالْحَقْدَ وَالْحَسَدَ عَنْ قُلُوبِهِمْ، وَيُزِيلُ الْمَكْرَ وَالْخِدَاعَ عَنْ صُدُورِهِمْ، مَعَ أَنَّ الْمُنَافِقَ وَالْكَافِرَ يَكُونُ قَلْبُهُ مَمْلُوءًا مِنْ هَذِهِ الْأَحْوَالِ الْخَسَلِيَّةِ الْخُلُوقِ الدَّيْمِيَّةِ.

وَالسَّبَبُ فِي حُصُولِ هَذِهِ الْأُمُورِ أَنَّ الْقَلْبَ إِذَا صَارَ مُشْرِقًا

بِطَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى زَالَتْ عَنْهُ كُلُّ هَذِهِ الظُّلُمَاتِ لِأَنَّ مَعْرِفَةَ اللَّهِ نُورٌ، وَهَذِهِ الْأَخْلَاقُ ظُلُمَاتٌ وَإِذَا ظَهَرَ النُّورُ فَلَا بُدَّ مِنْ زَوَالِ الظُّلْمَةِ.

وَأَمَّا فِي الْأَحْوَالِ الظَّاهِرَةِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَخْصُ الْمُسْلِمِينَ بِالْعُلُوِّ وَالْفَتْحِ وَالنَّصْرِ وَالظَّفَرِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ وَكَمَا قَالَ: ﴿يُظْهِرُهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ وَأَمْرُ الْفَاسِقِ وَالْكَافِرِ بِالْعَكْسِ مِنْ ذَلِكَ. ﴿﴾

”﴿وَيَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور کفار کے درمیان فرق واضح فرمادے گا۔

مطلق لفظ ہونے کی بناء پر اسے مومنین و کفار کے درمیان ہر قسم کے فرق پر محمول کرنا واجب ہے۔ لہذا یہ فرق یا تو دنیاوی احوال کے اعتبار سے ہوگا یا اخروی احوال کے اعتبار سے۔

دنیاوی اعتبار سے پھر احوال قلوب (دلوں) کے باطنی (حالات) کے اعتبار سے ہوگا، یا ظاہر احوال کے اعتبار سے۔

(۱) احوال قلوب (دلوں کے باطنی حالات) کے اعتبار سے یہ فرق کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔

(۲) دلوں اور سینوں کو کشادہ کرنے میں مومنین کی تخصیص جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَقَمْنِ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ﴾

”کیا پس جس شخص کے سینے کو اللہ رب العزت نے اسلام کے لیے کشادہ فرمادیا ہے، پس وہ اپنے رب کے نور پر ہے۔“

(۳) اللہ رب العزت ان کے سینوں سے دھوکہ اور حسد و بغض کو نکال دیتے ہیں، اور مکر و

فریب کو ان کے سینوں سے زائل فرمادیتے ہیں۔

جب کہ منافق و کافر کا دل ان تمام بری چیزوں سے بھرا ہوتا اور مذموم عادات سے اٹا ہوا ہوتا ہے۔

اور ان تمام چیزوں کے حصول کا سبب یہ ہے کہ جب دل اطاعت الہی میں مشغول ہو جاتا ہے، تو اس کے نتیجے میں یہ سارے کے سارے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، کیوں کہ رب العالمین کو پہچان لینا نور ہے۔ جب کہ یہ مذموم عادات اندھیرے ہیں۔ اور نور کے ظاہر ہونے کی صورت میں اندھیروں کا چھٹ جانا لازمی چیز ہے۔

اور ظاہری اعتبار سے فرق یہ ہے کہ رب العالمین نے کامیابی، نصرت، غلبہ اور فتح کو مومنین کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ﴾ ”غلبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے۔“ ایسے ہی ارشاد ہے: ﴿يُظْهِرُهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ ”تا کہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب فرمادے۔“ جب کہ کافر و فاسق کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔“

امام رازی رحمہ اللہ کی مفصل کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں رب العالمین مومنین کو ہر اعتبار سے کفار اور اہل باطل سے ممتاز اور ممتاز فرمادیتے ہیں، اور مومنین کے اندر کفار اور اہل باطل سے ہر ممکنہ فرق واضح نظر آئے گا۔

ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اہل ایمان کو بشارت دی گئی ہے کہ اگر وہ مال اور اولاد کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے، اور اپنی زندگی میں اللہ کے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کریں گے، تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت و عزت بٹھا

دے گا، اور کوئی شخص ان کے اہل و عیال، مال و دولت اور عزت و ناموس پر دست درازی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ بعض مفسرین نے ”فرقان“ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نیک شہرت کو چار دانگ عالم میں عام کر دے گا۔ اس کا معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں حق و باطل کی تمیز دے گا، اور شبہات سے دور رکھے گا۔ سدی نے اس کا معنی ”نجات“ بتایا ہے، اللہ تعالیٰ اسے کامیابی سے ہمکنار کرے گا اور دنیا کی مصیبتوں سے نجات دے گا۔ جیسا کہ اللہ نے سورۃ طلاق آیت (۲) میں فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝﴾ (الطلاق: ۲)

”جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے راستے نکالے گا۔“

آٹھواں فائدہ: گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت اور خطاؤں کی پردہ پوشی: دنیا میں اہل تقویٰ پر رب العالمین کی جانب سے نازل ہونے والے انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ رب العالمین نے تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں گناہوں کی بخشش اور معافی کا اعلان فرمادیا ہے، اور اس کے ساتھ ان گناہوں کی پردہ پوشی کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ جن کا وہ مرتکب ہوا تھا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۖ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝﴾ (الأنفال: ۲۹)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرجاؤ گے تو اللہ رب العزت تمہیں فیصلے کی قوت عطا فرمائے گا، اور تمہاری خطاؤں کو مٹا کر تمہیں معاف فرمادے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت فضل والا ہے۔“

علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے اس حصے ﴿وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ کا

مفہوم ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں:

((﴿وَيُكَفِّرُ عَنْكُمُ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ اَی یَسْتُرُهَا حَتَّى تَكُونَ غَیْرَ ظَاهِرَةٍ
﴿وَيَغْفِرُ لَكُمْ﴾ مَا اقْتَرَفْتُمْ مِنَ الذُّنُوبِ، وَقَدْ قِيلَ: إِنَّ الْمُرَادَ
بِالسَّيِّئَاتِ: الصَّغَائِرُ وَبِالذُّنُوبِ الَّتِي تُغْفَرُ، الْكِبَائِرُ، وَقِيلَ:
الْمَعْنَى أَنَّهُ يَغْفِرُ لَهُمْ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الذُّنُوبِ وَمَا تَأَخَّرَ.)) •

” (اور تمہاری خطاؤں کو مٹا دے گا) یعنی ان کی پردہ پوشی فرمادے گا، یہاں تک
کہ وہ (کسی پر) ظاہر نہیں ہو سکیں گے۔ (اور تمہیں بخش دے گا۔) یعنی جو بھی تم
نے گناہ کیے ہیں (سب کے سب معاف فرمادے گا) ایک قول ہے کہ سیئات
سے مراد صغیرہ گناہ، اور وہ گناہ جن کے بخشے جانے کا تذکرہ ہے، وہ کبیرہ گناہ
ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ رب العزت ان کے گزشتہ اور آئندہ تمام کے
تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔“

علامہ خازن رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((﴿وَيُكَفِّرُ عَنْكُمُ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ يَغْنِي وَيَمَحُّ عَنْكُمُ مَا سَلَفَ مِنْ
ذُنُوبِكُمْ ﴿وَيَغْفِرُ لَكُمْ﴾ يَغْنِي وَيَسْتُرُ عَلَيْكُمْ بِأَن لَّا يَفْضَحَكُمْ
فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ.))

” ﴿وَيُكَفِّرُ عَنْكُمُ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ کے معنی ہیں تمہارے گزشتہ گناہوں کو معاف
فرمادے گا۔ اور ﴿وَيَغْفِرُ لَكُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے گناہوں کی اس طرح
پردہ پوشی فرمائے گا کہ دنیا و آخرت میں تمہیں رسوائی سے محفوظ فرمالے گا۔“

قارئین کرام غور کیجیے! تقویٰ اختیار کرنے سے دنیا میں کس قدر انعامات الہیہ کی بارش
برسی ہے، رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، مصائب و آلام آنے کے باوجود دل اطمینان کی دولت
سے مال مال ہوتا ہے، مصائب اور تکالیف سے نجات ملتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

رب العالمین، مالک یوم الدین، رحیم بالمؤمنین کی رضا اور خوشنودی کے بادل ہمہ وقت متقین کے سر پر سایہ فگن رہتے ہیں۔ اور پھر اس خوش نصیب کی خوش بختی کا اندازہ لگائیے، جس کے گناہوں کی معافی کا اعلان دنیا میں ہی فرما دیا جائے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَّقِينَ۔
نواں فائدہ:..... دنیا میں افضل ترین انسان ہونے کی گارنٹی:

انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز سے معزز تر بنانے کی کوشش کرتا ہے، افضل سے افضل تر بننے کی جدوجہد میں لگن رہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایسے کام کرتا ہے، جن کے کرنے سے لوگوں میں اس کا مقام و مرتبہ دو بالا ہو سکے۔ ہر ممکن ایسے فعل سے گریز کرتا ہے، جس سے لوگوں کے درمیان اس کے مقام و مرتبہ پر برے اثرات مرتب ہوں۔

اللہ رب العزت متقین کو دنیا کا معزز ترین انسان قرار دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ٥﴾

(الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا، اور ایک دوسرے کے تعارف کے لیے تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ آدمی ہے، جو سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے، خوب خبر رکھنے والا ہے۔“

اور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ”حجۃ الوداع“ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ أَلَا إِنَّ آبَاءَكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَىٰ عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَىٰ عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ

عَلَىٰ أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَىٰ أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ .)) •

”اے لوگو! تمہارا رب ایک (اللہ) ہے، اور تم سب کا باپ بھی ایک (سیدنا آدم علیہ السلام) ہے۔ خبردار! تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی سیاہ کو سرخ پر اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت حاصل ہے، مگر تقویٰ کے ساتھ۔“

دسواں فائدہ: اولاد کی حفاظت:

تقویٰ کے فوائد و ثمرات میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ رب العالمین اس کی برکت سے انسان کی اولاد کی حفاظت بھی فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝﴾ (النساء: ۹)

”ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد (نہیں منھے بچے) چھوڑ جائیں، جن کے ضائع ہونے کا انھیں خطرہ ہو، تو ان لوگوں کو چاہیے کہ اللہ سے ڈر جائیں اور سیدھی سیدھی بات کیا کریں۔“

اس آیت کریمہ پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ والدین کے دلوں میں خوفِ الہی نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آباء و اجداد کا تقویٰ نسلوں کی حفاظت کرتا ہے۔

جیسا کہ ”سورۃ الکہف“ کی یہ آیت کریمہ اس کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ط
ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ ﴿٨٢﴾ (الكهف: ۸۲)

”اور دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس میں شہر کے دو یتیم بچے ہیں، جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا، تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آ کر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں۔ میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی، جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔“

محترم قارئین کرام! یہاں تک آپ دنیا میں حاصل ہونے والے، تقویٰ کے دس فوائد پڑھ چکے ہیں۔

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ لِلَّهِ الْحَمْدُ.

اب ہم آخرت میں تقویٰ اختیار کرنے سے حاصل ہونے والے ثمرات اور فوائد کو قرآن و سنت سے ذکر کرتے ہیں۔

(۲) آخرت میں حاصل ہونے والے تقویٰ کے فوائد و ثمرات:

پہلا فائدہ: اچھا انجام:

قرآن حکیم میں بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ بہترین انجام کا صرف متقین کے لیے ہے۔ ان میں سے چند ایک آیات کریمہ پیش خدمت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ

وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ ﴿٨٣﴾ (القصص: ۸۳)

”یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کر دیتے ہیں، جو زمین میں نہ تو بڑائی کی چاہت رکھتے ہیں اور نہ ہی فساد کرتے ہیں۔ اور بہترین انجام متقین کے لیے ہے۔“

جب فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر لیا، اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کی خبر ملی تو انھوں نے اپنی قوم کو رجوع الی اللہ، اس سے مدد مانگنے، اور اس پر بھروسہ کرنے اور صبر کرنے کی نصیحت فرمائی، کیونکہ ہر حال میں مومن اور متقی کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کامل اور مکمل یقین کے ساتھ کہ جس کا مددگار رب العالمین ہوتا ہے، اس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ بشارت بھی دی کہ بالآخر غلبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا، اور آخرت کی کامیابی متیقن کے لیے ہے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ٥ ﴾ (الاعراف: ۱۲۸)

”سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، اللہ سے مدد مانگو، اور صبر کرو۔ بے شک یہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور بہترین انجام متیقن کے لیے ہے۔“

ذاکر فضل الہی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”ارشاد باری تعالیٰ ﴿ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾

”انجام کار متقیوں کے لیے ہے“

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے تائید الہی ہے۔ اور دنیا و آخرت میں انجام کار قابل تعریف ہوتا ہے۔ ❶

اس بارے میں ذیل میں چند مفسرین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

(۱) علامہ زحشری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

اور سورۃ ”النازعات“ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۖ﴾ (النازعات: ۳۸، ۳۹)

”اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا، اور اپنے نفس کو خواہش کی اتباع سے روکا تو بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔“

جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، روزِ حساب، اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے، اس لیے فرائض کی پابندی کرتا ہے، اور گناہوں سے بچتا ہے، اسے اس کا رب دو جنتیں عطا فرمائے گا، ایک ترکِ معاصی کے بدلے، اور دوسری عملِ صالح کے عوض کہا جاتا ہے کہ ایک کا نام ”جنتِ عدن“ ہے، اور دوسری ”جنتِ نعیم“ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٌ ۖ﴾ (الرحمن: ۴۶)

”اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو کر حساب دینے سے ڈرتا ہے، اس کے لیے دو باغ ہیں۔“

آخرت میں تقویٰ کی وجہ سے ملنے والے انعامات الہیہ کی فہرست ویسے تو بہت طویل ہے، لیکن اختصار کے پیش نظر ہم صرف ان پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔



اسبابِ تقویٰ

محترم ڈاکٹر فضل الہی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب ”تقویٰ“ میں (پندرہ) اسباب نقل کیے ہیں جن میں سے ہم چند ایک کا خلاصہ ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

(۱) فرضیتِ تقویٰ کو پیش نظر رکھنا:

جس طرح رب العالمین نے قرآن حکیم میں متعدد آیات کریمہ میں اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ نے بھی کئی احادیث میں تقویٰ کی فرضیت بیان فرمائی ہے۔ اس بات کو سمجھنا اور یاد رکھنا ایمان دار شخص کو متقی بنانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرے گا، کیوں کہ بندہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے حکم کی فوری تعمیل کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ رب العالمین نے اہل ایمان کے بارے میں خود فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝﴾ (الاحزاب: ۳۶)

”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کسی بات کا فیصلہ کرنے کے بعد کسی ایماندار مرد اور ایمان والی عورت کے لیے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔“

(۲) فوائدِ تقویٰ کو پیش نظر رکھنا:

انسان کی فطرت ہے کہ جس طرح وہ، مفید چیز کو پسند کرتا ہے اور اس کے حصول کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اسی طرح تکلیف دہ چیز کو ناپسند کرتا، اور اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا

ہے، تقویٰ کے دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والے کتنے ہی فوائد و ثمرات ہیں۔
اگر تقویٰ کے یہ سب فوائد و ثمرات انسان کی نگاہوں کے سامنے رہیں تو وہ کیوں کر تقویٰ
سے منہ موڑ کر کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوگا؟

تو جو شخص تقویٰ کے فوائد و ثمرات کو جاننا، سمجھنا اور یاد رکھنا چاہے وہ کثرت اور توجہ
سے قرآن و سنت کا مطالعہ جاری رکھے، کیونکہ ان دونوں میں اس بارے میں بہت مواد
موجود ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر ایمان رکھنا:

انسان کو متقی بنانے والی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ اور تقدیر
پر ایمان لائے۔ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اسی بات کی بوقت موت اپنے بیٹے کو
وصیت فرمائی۔ امام ترمذی نے عطاء اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:
”میری ملاقات صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے
صاحبزادے ولید سے ہوئی، تو میں نے ان سے پوچھا:
”آپ کے والد کی موت کے وقت کیا وصیت تھی؟“
انہوں نے جواب دیا:

”میرے والد گرامی نے مجھے بلایا اور فرمایا:

((يَا بَنِيَّ اتَّقِ اللَّهَ وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَنْ تَنْفِيَ اللَّهَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِاللَّهِ،
وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ)) ❶

”اے میرے چھوٹے بیٹے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور اچھی طرح سمجھ لو کہ تم
اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر اور تقدیر پر خواہ وہ اچھی ہو یا بری متقی نہیں بن
سکتے۔“

(۴) راہ ہدایت پر آنا:

اللہ عزوجل کی اپنے بندوں پر یہ عنایت ہے کہ جو کوئی راہ ہدایت پر آئے، وہ اس کو مزید ہدایت عطا فرماتے ہیں، اور نعمت تقویٰ سے نوازتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَالَّذِينَ تَقَوُّهُمْ﴾ (محمد: ۱۷)

”اور جو لوگ راہ ہدایت پر آئے، اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں ان کے تقویٰ کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔“

علامہ شوکانی اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى﴾ یعنی جو لوگ راہ خیر کی ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور ان کے احکامات بجا لاتے ہیں، تو وہ انہیں مزید ہدایت کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ تَقَوُّهُمْ﴾ اور انہیں تقویٰ سے نوازتا ہے اور اس کو اختیار کرنے میں ان کی اعانت فرماتا ہے۔

(۵) مشکوک چیزوں کو ترک کرنا:

تقویٰ تک پہنچانے والے امور میں سے ایک یہ ہے، کہ بندہ شک و شبہ والی چیز سے دور ہو جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ)) ۵

”بندہ تقویٰ کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ وہ سینے میں کھلنے والی چیز کو نہ چھوڑ دے۔“

(۶) روزے رکھنا:

روزوں کی عظیم ترین برکات میں سے ایک یہ ہے، کہ وہ روزہ داروں کو متقی بنانے کا

① صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب قول النبی ﷺ: ”بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ“، ص: ۴، طبع

سبب بنتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ (البقرة: ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ کی راہ اختیار کرو۔“

شیخ سعدی اپنی تفسیر میں: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“ کے بارے میں فرماتے ہیں: کیونکہ روزے تقویٰ کے بڑے اسباب میں سے ہیں، کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالانا اور ان کی منہیات کو ترک کرنا ہے۔^۱

(۷) عدل و انصاف کرنا:

رب العالمین نے عدل کو بھی باعث تقویٰ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِعْدِلُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ نُوا تَقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾ (المائدہ: ۸)

”عدل کیا کرو، وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔“

شیخ سعدی اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

”تم جس قدر عدل کرنے کی حرص کرو گے، اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرو گے، تمہارے دل تقویٰ کے اسی قدر زیادہ قریب ہوں گے، عدل کے مکمل ہونے پر تقویٰ بھی کامل ہو جائے گا۔“

(۸) عبادت کرنا:

اللہ عزوجل نے اپنی عبادت کو تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ (البقرة: ۲۱)

”اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تمہارے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“

شیخ سعدی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

”ارشاد باری تعالیٰ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾: میں اس بات کا احتمال ہے، کہ معنی یہ ہو:

”بلاشبہ تم جب صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے، تو اس کی وجہ سے ان کی ناراضی

اور عذاب سے بچ جاؤ گے، کیونکہ تم نے اس سے بچاؤ کا سبب اختیار کیا ہے۔“

اور اس معنی کا احتمال بھی موجود ہے، کہ: ”جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے، تو

تم تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر متقیوں میں شامل ہو جاؤ گے۔“

بہر حال دونوں معانی درست ہیں، اور وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم

ہیں، کیونکہ صحیح معنوں میں عبادت کرنے والا متقیوں میں سے ہو جاتا ہے، اور جو

کوئی متقیوں میں سے ہو گیا، اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضی سے نجات

میسر آ جاتی ہے۔“ ❶

(۹) اہل تقویٰ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا:

عام طور پر عمل کا اثبات سے زیادہ ہوتا ہے۔ تو جو شخص اہل تقویٰ کے مقدس گروہ میں شامل

ہونا چاہے، وہ اہل تقویٰ کی مبارک سیرتوں کا مسلسل مطالعہ اور تذکرہ کرتا رہے، اور انہیں اپنی

نگاہوں کے سامنے رکھے اور ساری کائنات کے متقیوں کے امام ہمارے نبی کریم ﷺ، پھر دیگر

انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھے۔

رحمت الہی سے اُمید واثق ہے، کہ اس عمل سے انسان کے دل میں راہ تقویٰ پر آنے کے

لیے جذبہ صادقہ موجزن ہوگا، اور اس بارے میں ذوق و شوق میں اضافہ ہوگا۔

(۱۰) سبیل اللہ کی اتباع اور دیگر راہوں کو ترک کرنا:

رب العالمین کے اہل اور قطعی ضابطوں میں سے ایک یہ ہے، کہ جو شخص اس کی راہ کی اتباع کرے اور دیگر راہوں کو چھوڑ دے، وہ اس کو متقی لوگوں میں شامل ہونے کی سعادت سے بہرہ ور فرمادے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ (الانعام: ۱۵۳)

”اور بلاشبہ یہ میری سیدھی راہ ہے، سو اس پر چلو، اور دوسری راہوں پر مت چلو، وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس بات کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکید کر حکم دیا ہے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“

”سبیل اللہ“ کی اتباع میں اطاعتِ رسول اور اتباعِ رسول ﷺ بھی آ جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۝﴾ (النساء: ۸۰)

”جس نے رسول کی اطاعت کی، پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اس لیے قرار دیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ وحی الہی کے بغیر تکلم نہیں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (النجم: ۳-۴)

”اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں۔ وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے۔“

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.





علم اور تقویٰ

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17- اردو بازار لاہور

فون: 042-7357587